ایاز محمود ایازؔ کی غزل گوئی: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

(بحوالہ "مجھے تم ہار بیٹھو گے")

(مقالہ برائے بی۔ ایس اُردو)

مقالہ نگار: سید عاقب حسین شاہ

رول نمبر: ۱۷۸۱۷

ڈگری پروگرام: بی ایس اُردو

نگرانِ مقالہ: پروفیسر ممتاز حسین

تاریخ: ۲۰۲۱ء

شعبۂ اُردو

گورنمنٹ کالج بالاکوٹ

ملحقہ ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

سبحنک لاعلم لنا الا ماعلمتنا انک انت العلیم الحیکم

(سورۃ البقرۃ، آیت ۳۲)

''تو پاک ذات ہے! ہم کو کچھ معلوم نہیں مگر جتنا تو نے سکھایا! بے شک تو ہی اصل دانا! حکمت والا ہے۔''

تصدیق نامہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ **سید عاقب حسین شاہ رول نمبر ۱۷۸۱۷** طالب علم بی ایس اُردو نے یہ مقالہ بعنوان **"ایاز محمود ایاز کی غزل گوئی: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ (بحوالہ "مجھے تم ہار بیٹھو گے")"** میری نگرانی میں مکمل کیا ہے۔ سید عاقب حسین شاہ نے مقالے کی تسوید کے تمام مراحل خوش اسلوبی سے مکمل کیے ہیں اور ہائیر ایجو کیشن کمیشن آف پاکستان کے اصول و ضوابط کو مد نظر رکھا ہے۔ مزید برآں یہ مقالہ سرقہ کے عیب سے یکسر خالی ہے۔ میں اس مقالے کی پیش کش سے مطمئن ہوں اور مقالے کو سند کے حصول کی کارروائی کے لیے یونیورسٹی میں پیش کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔

نگرانِ تحقیق

پروفیسر ممتاز حسین

شعبۂ اُردو گورنمنٹ کالج بالاکوٹ

فہرست

پیش لفظ

اُردو شاعری کی سب سے مقبول ترین صنف غزل پر ہر دور میں مختلف شعراء طبع آزمائی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان غزل گو شعراء میں ایاز محمود ایازؔ کا نام بھی کسی تعارف کا محتاج نہیں جنھوں نے اپنے منفرد اندازِ بیان اور اسلوب سے صنفِ غزل کو تقویت بخشی ہے۔

گورنمنٹ کالج بالاکوٹ شعبہ اُردو نے راقم کو تحقیقی کام کے لیے "ایاز محمود ایازؔ کی غزل گوئی: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ (بحوالہ "مجھے تم ہار بیٹھو گے")" کے موضوع پر تحقیق کا موقع دیا۔ جس کے لیے میں صدر شعبۂ اُردو پروفیسر طارق جاوید صاحب اور جملہ پروفیسران کا مشکور ہوں۔ زیرِ نظر تحقیقی مقالہ میں اُردو غزل گوئی کا مختصر تعارف، ایاز محمود ایازؔ کی شخصیت اور ان کی غزل گوئی کے مختلف و فکری و فنی پہلوؤں کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس مقالے کو لکھنے کا مقصد طلباء اور اُردو دان طبقہ کو ایاز محمود ایازؔ کی شخصیت اور فن سے روشناس کرانا ہے۔ اس موضوع پر کی جانے والی تحقیق دستاویزی تحقیق ہے۔ جس میں مختلف حوالوں کے ساتھ ایاز محمود ایازؔ کے شعری مجموعہ "مجھے تم ہار بیٹھو گے" کے فکری و فنی پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ان کے شعری مجموعہ "مجھے تم ہار بیٹھو گے" سے استفادہ کرتے ہوئے ان کے اشعار بطورِ نمونہ پیش کیے گئے ہیں۔ اور فکری و فنی خوبیوں کی روشنی میں بحیثیت غزل گو ان کا مقام و مرتبہ متعین کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے راقم نے اُردو شاعری میں، اُردو غزل کے حوالے سے جو ثبوت و دلائل اکھٹے کیے ہیں، ان سب کو اس مقالے میں سمونے کی کوشش کی ہے۔

مقالے میں بے جا ایجاز و اختصار سے از حد پرہیز کی گئی ہے اور مقالے کو بالکل سادہ، سلیس عام فہم اور آسان عبارت میں پیش کیا ہے۔ مقالے کی تکمیل اور اپنی سہولت کے لیے اس مقالے کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

باب اول میں شاعر ایاز محمود ایازؔ کی سوانح حیات کو پیش کیا گیا ہے۔ باب دوم میں صنفِ غزل کا تعارف، مختلف تعریفیں اور اُردو غزل کے آغاز وارتقاء کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ باب سوم میں ایاز محمود ایازؔ کے شعری مجموعہ "مجھے تم ہار بیٹھو گے" کے فکری پہلوؤں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ باب چہارم

میں ایاز محمود ایازؔ کے شعری مجموعہ "مجھے تم ہار بیٹھو گے" کے فنی پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ باب پنجم میں تمام ابواب کا مجموعی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ جو حاصلِ تحقیق کے نام سے مقالہ میں درج ہے۔ مقالے کے آخر میں کتابیات درج کی گئی ہیں جو بطورِ حوالہ اس مقالہ میں استعمال ہوئی ہیں۔

یہ مقالہ پروفیسر ممتاز حسین کی نگرانی میں مکمل کیا گیا ہے۔ جنھوں نے مقالے کی تکمیل میں بڑی شفقت سے میری رہنمائی فرمائی اور بڑی باریک بینی سے مقالے کی کانٹ چھانٹ کے فرائض انجام دیے۔ میں اپنے نگران جناب پروفیسر ممتاز حسین صاحب کا صمیمِ قلب سے شکر گزار ہوں۔ اس کے علاوہ اپنے شعبہ کے دیگر پروفیسر صاحبان کا بھی مشکور ہوں جن میں صدر شعبۂ اُردو پروفیسر طارق جاوید صاحب، پروفیسر عبدالماجد صاحب اور پروفیسر مشتاق احمد صاحب جنھوں نے مقالے کی تکمیل کے مراحل میں میری مدد کی۔ اس کے ساتھ ساتھ میں تسلیم اکرام صاحبہ، سہیل رحمان، صلاالدین خان لغمانی اور نجم علی خان کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنھوں نے میری مدد اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ اس کے علاوہ اپنے دوستوں میں رضوان شاکر، جنید گل، محب الرحمن خان، مصعب علی، ذوالقرنین، محمد خورشید، اور سب سے بڑھ کر جناب ایاز محمود ایازؔ صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے مقالے کی تکمیل تک ہر کام میں میری مدد کی اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ آخر میں اپنے والدین اہل خانہ اور اساتذہ کرام خاص طور پر محمد جاوید لغمانی صاحب، مشکور حسین صاحب، عزیز احمد صاحب، عائشہ وڑائچ صاحبہ اور ثمینہ ممتاز (سیمی) صاحبہ کا بے حد مشکور و ممنون ہوں جن کی دعاؤں اور تعاون کی بدولت زندگی کے ہر میدان میں کامیابی و کامرانی سے ہم کنار ہوں۔

سید عاقب حسین شاہ

بی ایس سکالر (شعبۂ اُردو)

گورنمنٹ کالج بالاکوٹ

باب اول

ایاز محمود ایاز: سوانح حیات

تعارف:

اصل نام ایاز محمود اور تخلص ایازؔ ہے۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۸۰ء کو بادشاہ پور (ضلع منڈی بہاؤ الدین) پنجاب میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں (بادشاہ پور) کے گورنمنٹ پرائمری سکول سے حاصل کی۔ ۱۹۹۶ میں گورنمنٹ ہائی سکول ملکوال سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۹۸ء میں اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور سے ایف اے اور ۲۰۰۱ء میں بی اے کرنے کے بعد ۲۰۰۴ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم اے اُردو کی سند حاصل کی۔ آج کل پیرس (فرانس) میں مقیم ہیں جہاں وہ "بزم اہل سخن" پیرس" کے جنرل سیکرٹری ہیں اور اس فورم سے اردو شعر و ادب کے فروغ کے لیے دن رات کوشاں ہیں۔ اس فورم کے تحت کئی عالمی مشاعرے منعقد کروا چکے ہیں۔ اس کے علاوہ "حلقہ ادب و ثقافت" اور "پیرس ادبی فورم" سے بھی وابستہ رہے ہیں۔ ایاز محمود ایازؔ کا پہلا شعری مجموعہ "خزاں کی آخری شب" محض سولہ سال کی عمر میں شائع ہوا اور اب تک ان کے سات شعری مجموعے جن میں: "خزاں کی آخری شب"، "ترکِ مراسم"، "تنہائی سے ڈر لگتا ہے"، "سنو ایسا نہیں کرتے"، آرزوئے جاں"، "تم شرطِ زندگی ہو" اور "مجھے تم ہار بیٹھو گے" منظر عام پر آ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک شعری مجموعہ "میری تشنگی کا خیال کر" کے نام سے زیرِ طبع ہے۔

موجود دور میں جذبوں کی کوملتا کو لفظوں کی خوبصورت زبان عطا کرنے والوں میں ایک نام ایاز محمود ایازؔ کا بھی ہے ان کی شاعری احساس و جذبے کی نرم و گرم دھوپ سے عبارت ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہر حساس دل اپنا عکس دیکھ سکتا ہے۔ تمام اشعار میں نرم و کومل جذبے اپنی چھب دکھاتے ہیں جو کہ شاعر کی حساسیت کے غماز ہیں۔ ایاز محمود ایازؔ نے پیرس میں رہ کر بھی اپنے وطن اور اپنی تہذیب کو دل میں لیے ہوئے ہیں۔ زیر تحقیق شعری مجموعہ "مجھے تم ہار بیٹھو گے" کے بارے میں امجد سلام امجد لکھتے ہیں کہ:

> "ایاز کئی برسوں سے پیرس میں مقیم ہے لیکن اس کا دل اب بھی پاکستان اور اپنی تہذیب میں اٹکا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نہ صرف مسلسل ادب کے ساتھ اپنے رشتے کو قائم رکھے ہوئے ہے بلکہ کلاسیکی اور معاصر ادب کے

> مسلسل مطالعہ کی وجہ سے اس کے لہجے میں بھی مسلسل نکھار آتا چلا جا رہا ہے اور اس کے کئی اشعار نئی نسل کے قارئین کے محبوب اور پسندیدہ اشعار ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ سینئر اور سنجیدہ قاری بھی اس کو توجہ سے پڑھتے اور سراہتے ہیں۔یہ کتاب اپنے اندر بہت سے عمدہ خیالات سمیٹے ہوئے ہے"۔ (۱)

ایازؔ اپنی شاعری کے ذریعے زندگی کی خوبصورتیوں کو یوں قاری کے سامنے بکھیرتے ہیں جیسے تتلیاں پر کھولتی ہیں ان کے لہجے میں شگفتگی اور نرماہٹ ہے۔ایازؔ کی شاعری محبت سے بھرپور شاعری ہے ان کے ہاں محبت اور زندگی ایک ساتھ سانس لیتے ہیں۔ایاز محمود کا شعری سفر اور اسلوب زندگی سے آشنا معلوم ہوتا ہے۔انھوں نے جس نظر سے ماحول کو دیکھا اسے اسی طرح اپنے شعری پیکر میں ڈھال دیا۔ان کی شاعری خوبصورت الفاظ اور دلکش جذبات کی ترجمان ہے۔خوشبوؤں کے شاعر ایاز محمود ایازؔ کی شاعری کے بارے میں اعتبار ساجد لکھتے ہیں کہ :

> "ایاز کی شاعری ایک جوان اور ولولہ انگیز دل کی دھڑکن ہے جو اشعار میں دھڑکتا ہوا صاف دکھائی دیتا ہے۔جو لوگ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ الفاظ صرف صوتی آہنگ ہی کو جنم نہیں دیتے بلکہ اگر خوبصورت اشعار کے قالب میں ڈھال دیے جائیں تو ان کی خوشبو بھی محسوس ہوتی ہے۔ایاز کی شاعری کا یہی کمال ہے اور یہ اللہ کی ایسی عطا ہے جو خاص خاص لوگوں کو عطا ہوتی ہے"۔ (۲)

ایاز محمود ایازؔ انسانی محسوسات کے شاعر ہیں۔انھوں نے شعر نہایت آسانی اور روانی سے جذبے کی آنچ دے کر تخلیق کیا ہے۔اسی رنگ و اسلوب، کومل جذبات اور خوش بیانی کی بنا پر وہ معاصر شعراء میں الگ شناخت بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

خاندانی پسِ منظر:

ایاز محمود ایازؔ کا تعلق رانجھا برادری سے ہے جو حضرت ایوب انصاری کی اولاد سے سلسلہ ملتا ہے۔آپ کے والد صاحب غلام علی بہت بڑے عاشق رسول تھے۔اور آپ کے تایا جان غلام نبی اختر فوج

سے نائب صوبیدار ریٹائرڈ تھے، متقی، پرہیز گار اور پانچ وقت کے نمازی تھے اور قریشی ٹیکنکل کالج کے پرنسپل تھے۔ آپ کے دادا مولاداد پٹواری تھے جنہیں گاؤں میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ بڑے دادا (دادا کے بڑے بھائی) سراج الدین سراج قادری پنجابی کے بڑے شاعر تھے۔ جنہوں نے سوہنی میوال جیسی کتابیں لکھیں اور پنجابی زبان کے تیرہ شعری مجموعے تخلیق کیے۔

پیدائش:

ایاز محمود ایازؔ ۱۰ دسمبر بروز بدھ ۱۹۸۰ء کو گجرات (موجودہ ضلع منڈی بہاؤالدین) کی تحصیل پھالیہ (موجودہ تحصیل ملکوال) کے ایک گاؤں بادشاہ پور کے ایک معزز خاندان میں پیدا ہوئے۔ ایاز محمود ایازؔ اپنی پیدائش کے متعلق اپنی زبانی بیان کرتے ہیں:

> "میری پیدائش ۱۰ دسمبر بروز بدھ ۱۹۸۰ء کو صوبہ پنجاب کے ضلع گجرات کی تحصیل پھالیہ کے گاؤں بادشاہ پور میں ہوئی (اس وقت ضلع منڈی بہاؤالدین نہیں بنا تھا)۔ میرا نام میرے دادا جان نے ایاز محمود رکھا۔"[۳]

والد:

آپ کے والد کا نام غلام علی تھا جو کہ انتہائی شریف، بااخلاق، اور منکسر المزاج انسان تھے۔ انتہائی پرہیز گار، پانچ وقت کے نمازی، سچے عاشقِ رسول اور گاؤں کی ایک معتبر شخصیت کے مالک تھے۔ چونکہ پڑھے لکھے نہیں تھے اس لیے زیادہ تر وقت اپنی زمینوں میں صَرف کیا۔ ساری زندگی محنت اور لگن کے ساتھ اپنا کام کے ساتھ وفا کی۔ ۲۱ جولائی ۲۰۱۶ء کو وہ اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گے۔

والدہ ماجدہ:

آپ کی والدہ کا نام سکینہ تھا۔ جو ایک شفیق، پرہیز گار اور باپردہ خاتون تھیں۔ زیادہ تر وقت قرآن شریف کی تلاوت فرماتیں اور اپنا زیادہ وقت ذکرِ الٰہی میں بسر کرتیں۔ وہ نیک اور عبادت گزار خاتون تھی

ہمیشہ پُر مزاج گفتگو کرتی ان کے سلیقے اور خودداری کی مثالیں آج بھی دی جاتی ہیں۔۲۰ جنوری۲۰۱۹ء کو وہ اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئیں۔

بہن بھائی:

آپ کی تین بہنیں اور دو بھائی ہیں۔آپ کے بڑے بھائی بشیر احمد بنک منیجر ہیں، جن کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔اور آپ کے چھوٹے بھائی شبیر احمد ایک بہت بڑی گارمنٹس فرم میں ایکسپورٹ مینجر ہیں۔ان کی اولاد میں ان کے تین بیٹے ہیں۔ایاز محمود ایازؔ اپنی زبانی بیان کرتے ہیں کہ :

> "ہم چھ بہن بھائی ہیں، تین بہنیں اور تین بھائی۔بھائیوں میں،بشیر احمد اور شبیر احمد ہیں۔اور میں اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہوں۔"(۴)

ایاز محمود ایازؔ بہت محبت کرنے والے انسان ہیں۔اگرچہ ایازؔ کا زیادہ تر وقت ملک سے باہر،دوست واحباب اور ادبی سرگرمیوں گزرتا ہے جس کے باعث وہ اپنے خاندان کے افراد کو زیادہ وقت نہیں دے پاتے۔لیکن اس کے باوجود وہ اپنے بہن بھائیوں سے بہت پیار کرتے ہیں۔چونکہ بہن بھائیوں میں ایازؔ سب سے چھوٹے ہیں اس لیے بچپن سے ہی وہ سب کے لاڈلے ہیں۔خاندان میں سب ان سے بہت زیادہ پیار کرتے ہیں۔

تعلیم وتربیت:

روایت کے مطابق ایاز محمود کی ابتدائی تعلیم دینی مدرسے میں ہوئی۔اپنے گاؤں کی مسجد کے امام حافظ یاسین صاحب سے قرآنی تعلیم حاصل کی جس میں قرآن پاک ناضرہ اور ترجمہ کے ساتھ پڑھا۔اس کے بعد پرائمری تک تعلیم اپنے گاؤں بادشاہ پور کے گورنمنٹ پرائمری سکول سے حاصل کی۔ تحصیل ملکوال کے گورنمنٹ ہائی سکول سے ۱۹۹۶ء میں میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد قریشی ٹیکنکل کالج منڈی بہاؤالدین سے ریفریجریشن کا ڈپلومہ اور وہیں سے ڈرائیونگ کورس بھی کیا۔اس کے بعد آپ لاہور چلے گئے اور گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائنز سے ۱۹۹۸ء میں ایف اے اور ۲۰۰۱ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا۔۲۰۰۴ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔۲۰۰۵ء میں ایاز محمود ایازؔ

پاکستان سے فرانس چلے گئے اور وہاں فرینچ لینگوئج کورس کیا۔اس کے ساتھ اٹلی کے شہر روم سے اٹالین لینگوئج میں ڈپلومہ حاصل کرنے کے بعد سپین کے شہر بارسلونا سے سپینش لینگوئج میں ڈپلومہ حاصل کیا۔اس کے علاوہ آپ مختلف زبانوں پر عبور رکھتے ہیں جن میں: پنجابی،اُردو،انگریزی،فرینچ، اٹالین اور سپینش شامل ہیں۔

تعلیمی ادارے:

ایاز محمود ایازؔ نے جن تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

- گورنمنٹ پرائمری سکول بادشاہ پور
- گورنمنٹ ہائی سکول ملکوال
- اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور
- پنجاب یونیورسٹی لاہور
- قریشی ٹیکنکل کالج منڈی بہاؤالدین

- *Pantheon Sorbonne (Paris)*
- *Linguaschools Spanish Course in Baracelona (Spain Baracelona)*
- *Universita per Stranieri di Perugia (Italy Roma)*

اساتذہ کرام:

ایاز محمود ایازؔ نے جن شمعوں سے علم کا دیا جلایا انھوں نے ان کی شخصیت کی مشاطگی میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ ایاز محمود ایازؔ نے علم کے جن قندیلوں سے اپنا دیا جلایا وہ ہستیاں کسی اعتبار سے محتاجِ تعارف نہیں۔ان کے اساتذہ تعلیم و تعلم کے ساتھ ساتھ ادب میں ایک دبستان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ایازؔ کو جن اساتذہ سے مستفید ہونے کا موقع ملا انھوں نے آپ کی شخصیت اور آپ کی ادبی زندگی پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔آپ کے اساتذہ کرام میں: ظفر حسین صاحب،غلام نبی اختر صاحب،محمد نواز صاحب،محمد اصغر صاحب،عبیداللہ صاحب،شریف عظمی صاحب اور عمر حیات صاحب شامل

ہیں۔ یہ وہ شخصیات ہیں جنہوں نے ایاز محمود ایازؔ کی شخصیت کو نکھارنے اور ادب سے ہم آہنگ کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔

آغازِ شاعری:

ایاز محمود ایازؔ کو پیدائشی شاعر کہا جائے تو بجا ہوگا کیوں کہ انھوں نے جس وقت شاعری کا آغاز کیا تو اس وقت انھیں لکھنا بھی نہیں آتا تھا۔ یعنی اتنی چھوٹی عمر میں آپ نے شعر کہنا شروع کیے۔ ایازؔ جب سکول میں داخل ہوئے تو اس وقت ان کی شاعری مقامی اخبارات اور ہفت روزہ میگزین میں شائع ہونے لگی جو اتنی کم عمری میں ایک بلند پایہ شاعر ہونے کا ثبوت تھا۔ یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا اور پاکستان کے مختلف بڑے میگزین اور اخبارات میں آپ کی شاعری کی اشاعت ہونے لگی۔ آغازِ شاعری کے بارے میں ایاز محمود ایازؔ اپنی زبانی بیان کرتے ہیں کہ :

> ''میں نے جب لکھنا شروع نہیں کیا تھا تب سے میں شاعری کرتا ہوں مطلب جب بہت چھوٹا تھا اور لکھنا نہیں آتا تھا۔ جب سکول گیا تو تب مقامی اخبارات اور ہفت روزہ میگزین میں جو ملکول سے شائع ہوتے ہیں، میرا کلام شائع ہونا شروع ہوا جن میں ہفت روزہ ''مخاطب'' یاد ہے مجھے۔ پھر پاکستان کے دوسرے بڑے میگزین اور اخبارات میں شامل ہونا شروع ہوا یہاں تک کہ سولہ سال کی عمر میں میرا پہلا شعری مجموعہ ''خزاں کی آخری شب'' مارکیٹ میں آگیا۔''(۵)

تخلص:

شاعر اپنی ادبی پہچان کے لیے اکثر اوقات اپنے حقیقی نام کی بجائے علیحدہ سے ایک نام رکھتے ہیں۔ یہ نام تخلص کہلاتا ہے۔ تخلص شاعر کے حقیقی نام کا حصہ بھی ہو سکتا ہے اور اس سے ہٹ کر بھی ہوتا ہے۔ مثلاً فیض احمد فیضؔ نے اپنے نام ہی سے تخلص اخذ کیا۔ ایاز محمود ایازؔ کا صل اور پیدائشی نام ''ایاز محمود'' اور ایازؔ ہی آپ کا تخلص ہے۔ اس لیے تخلص سمیت آپ کا مکمل نام ''ایاز محمود ایازؔ'' ہے۔ ایاز محمود اپنی زبانی بیان کرتے ہیں کہ :

"جس طرح میر تقی میرؔ، امجد اسلام امجدؔ اور فیض احمد فیضؔ نے اپنا نام بطورِ تخلص استعمال کیا اسی طرح میں نے بھی اپنے نام کو ہی بطورِ تخلص استعمال کیا۔ ایاز محمود نام اور ایازؔ ہی تخلص کیا۔"(۶)

صحافتی زندگی:

ایاز محمود ایازؔ صحافت کے شعبے سے بھی وابستہ ہیں۔ وہ مختلف اخبارات کے لیے کالم لکھنے کے ساتھ ساتھ پاکستان کے بڑے بڑے نیوز چینل سے وابستہ رہے ہیں۔ تاحال وہ پاکستان کے ایک بڑے ٹی وی چینل "ہم نیوز" کے لیے اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ایازؔ شاعری کے ساتھ ساتھ کالم نویسی میں بھی ایک نام رکھتے ہیں۔ ۲۰۰۸ء سے انھوں نے باقاعدہ کالم نویسی کا آغاز کیا، پہلے "روز نامہ پاکستان" اور اس کے بعد "روز نامہ اوصاف" میں کالم لکھتے رہے۔ ایازؔ اپنی زبانی بیان کرتے ہیں کہ :

"کالم نویسی کی ابتدا میں نے ۲۰۰۸ء سے کی۔ سب سے پہلے روز نامہ پاکستان میں لکھنا شروع کیا، اس کے بعد روز نامہ اوصاف میں کالم لکھتا رہا۔"(۷)

شاعری کے علاوہ صحافت کی دنیا میں بھی ایازؔ ایک بڑا نام رکھتے ہیں۔ مختلف ٹی وی چینلز سے وابستہ ہونے کے ساتھ ساتھ پاکستان کے بڑے اخبارات میں بحیثیتِ کالم نگار اپنے خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔ بطورِ صحافی ان کی خدمات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ ادبی دنیا کے ساتھ ساتھ صحافت کی دنیا میں بھی ایازؔ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔

ذریعۂ معاش:

تعلیم سے فراغت کے بعد ایاز محمود نے پاکستان میں کوئی ملازمت اختیار نہیں کی۔ ۲۰۰۵ء میں وہ فرانس چلے گئے اور وہاں پیرس میں مقیم ہو گئے۔ وہاں پر انھوں نے بزنس کو اپنا ذریعہء معاش بنایا۔ ایازؔ اپنی زبانی بیان کرتے ہیں کہ :

"پاکستان میں ملازمت نہیں کی ۲۰۰۵ء سے پیرس میں مقیم ہوں، وہاں اپنا بزنس ہے۔"(۸)

ازدواجی زندگی:

ایاز محمود ایازؔ ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۷ء کو رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ان کی شادی رشتے داروں سے باہر بٹ خاندان میں ہوئی۔

اولاد:

ایاز محمود ایازؔ کو اللہ تعالیٰ نے اولاد کی نعمت سے نوازا ہے۔ان کی اولاد میں ان کی ایک بیٹی عبیر ایاز ہیں۔ایاز محمود اپنی زبانی بیان کرتے ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ نے مجھے بیٹی جیسی نعمت سے نوازا ہے۔میری اولاد میں میری ایک بیٹی عبیر ایاز ہیں۔''[۹]

ادبی زندگی:

ایاز محمود ایازؔ نے اپنے بچپن سے ہی اپنے ادبی سفر کا آغاز کر دیا تھا۔چونکہ آپ کا تعلق ایک ادبی گھرانے سے تھا،اور بچپن ہی سے آپ شاعری سے شغف رکھتے تھے۔اس لیے زمانہ طالب علمی سے پہلے انھوں نے شعر کہنا شروع کیے۔سکول کے دور سے ہی ایازؔ کا کلام مقامی اخبارات اور میگزین میں شائع ہونے لگا اور پھر پاکستان کے بڑے اخبارات اور میگزین میں شائع ہوتا رہا۔یہاں تک کے محض سولہ سال کی عمر میں ان کا پہلا شعری مجموعہ "خزاں کی آخری شب" منظر عام پر آیا۔تعلیم سے فراغت کے بعد ایاز محمود فرانس چلے گے اور ۲۰۰۵ء سے تاحال فرانس کے شہر پیرس میں مقیم ہیں اس دوران ایازؔ نے اپنا ادبی سفر بڑی سنجیدگی اور لگن سے جاری رکھا اور ادبی دنیا میں اپنے نصف درجن سے زائد شعری مجموعے تخلیق کیے جو ادب کی دنیا میں قیمتی سرمایا ہیں۔عطاالحق قاسمی ایاز محمود ایازؔ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> "بیرونِ ملک مقیم جن شعراء نے سنجیدگی کے ساتھ اپنا ادبی سفر جاری رکھا ان میں ایاز محمود ایاز کا نام اہم بھی ہے اور نمایاں بھی۔خوشبوؤں کے شہر پیرس میں رہ کر ایازؔ نے محبت اور شاعری کی خوشبو سے اپنی سانسوں کو معطر رکھا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس کی شاعری میں وہ بھینی بھینی محسور کن خوشبو پھیل

> گئی ہے جو پیرس کی گلیوں میں چلتے ہوئے سیاحوں کو مدہوش رکھتی ہے۔ایاز محمود جب پاکستان میں تھا تو اس کے دو شعری مجموعے منظرِ عام پر آ چکے تھے۔وہ ادبی اور عوامی حلقوں میں شنا سا ہو چکا تھا۔اگر اس نے شہرت اور وقت گزرای کے لیے شاعری کی ہوتی تو یورپ کی مصروف زندگی میں کھو کر اسے فراموش کر چکا ہوتا۔مگر اس نے وہاں کی خوبصورتیاں کشید کر کے اپنی شاعری کو اور دل پذیر کر لیا اور وقت کے ساتھ ساتھ وہ نکھرتی اور سنورتی چلی گئی۔آج وہ نصف درجن شعری مجموعوں کا خالق ہے۔"[۱۰]

ایاز محمود ایازؔ مختلف ادبی حلقوں سے وابستہ رہے ہیں،عالمی مشاعروں، مختلف ادبی تقریبات اور پروگرامز میں شرکت کر چکے۔شاعری کے علاوہ صحافت کی دینا میں بھی ایک نام رکھتے ہیں۔ایاز محمود نے ۲۰۰۸ء سے کالم نگاری کی ابتداء کی ،روزنامہ پاکستان اور روزنامہ اوصاف میں کالم لکھتے رہے ہیں۔ایاز محمود ایازؔ اپنی زبانی بیان کرتے ہیں:

> "اب تک میرے سات شعری مجموعے آ چکے ہیں اور میرے پسندیدہ شعراء میں،امجد سلام امجدؔ، محسنؔ نقوی،احمد فرازؔ،پروینؔ شاکر،اعتبار ساجدؔ اور جونؔ ایلیا ہیں۔البتہ محسن نقوی سے بہت متاثر ہوا۔"[۱۱]

ادبی حلقوں سے وابستگی:

ایاز ۲۰۰۵ء سے پیرس میں مقیم ہیں اور وہاں مختلف ادبی حلقوں سے وابستہ ہیں۔وہاں پر اپنی ادبی تنظیم "بزمِ اہلِ سخن پیرس" کے جنرل سیکرٹری ہیں۔اس فورم سے اردو شعر و ادب کے فروغ کے لیے دن رات کوشاں ہیں۔اور اس فورم کے تحت کئی عالمی مشاعرے، کتب کی تقریبِ رونمائی اور پاکستان سے آئے ہوئے شعراء کے اعزاز میں تقریبات منعقد کروا چکے ہیں۔اس کے علاوہ ایازؔ "حلقہ ادب و ثقافت" اور "پیرس ادبی فورم" سے بھی وابستہ رہے ہیں۔

دوست احباب:

ایاز محمود ایازؔ کے حلقہ دوست احباب میں سیاسی، سماجی، ادبی اور صحافتی حلقوں کی نمایاں شخصیات شامل ہیں ۔ جن میں: آصف جاوید عاصیؔ، توقیر احمد بھٹی، وقار ہاشمی، طارق ندیم، محمد حسن اعوان، شازب بھٹی، ابوطلحہ سید، منیر احمد، سید رضا شاہ، صاحبزادہ عتیق الرحمن، سلمان حیدر، علی شاف، عاطف مسعود اور شاہد ملک شامل ہیں۔

ایاز محمود ایازؔ بحیثیت شاعر چند معاصر شعراء کی نظر میں:

نئے انداز سے بھرپور، جدید اور خوبصورت لب و لہجے کے شاعر ایاز محمود ایازؔ ۱۰ دسمبر ۱۹۸۰ء کو بادشاہ پور (ضلع منڈی بہاؤالدین) پنجاب میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول ملکوال سے حاصل کی۔ اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور سے ایف اے اور بی اے کرنے کے بعد ایم اے اُردو پنجاب یونیورسٹی لاہور سے کیا۔ آج کل پیرس (فرانس) میں مقیم ہیں جہاں وہ "بزم اہل سخن" پیرس" کے جنرل سیکرٹری ہیں اور اس فورم سے اُردو شعر و ادب کے فروغ کے لیے دن رات کوشاں ہیں۔ اس فورم کے تحت کئی عالمی مشاعرے منعقد کروا چکے ہیں ۔ اس کے علاوہ "حلقہ ادب و ثقافت" اور" پیرس ادبی فورم" سے بھی وابستہ رہے ہیں ۔ ایاز محمود ایازؔ کا پہلا شعری مجموعہ "خزاں کی آخری شب" محض سولہ سال کی عمر میں شائع ہوا۔ اب تک ان کے سات شعری مجموعے منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ افضل عاجزؔ، ایازؔ کے شعری مجموعہ "مجھے تم ہار بیٹھو گے" اور ان کی شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "ایازؔ کا یہ ساتواں شعری مجموعہ ہے۔ یعنی ایاز جوانی میں ہی ساتویں بچے کا باپ بن چکا ہے۔ میں نے ایازؔ کو سنا بھی ہے اور پڑھا بھی ہے اور دونوں کا لطف اٹھایا ہے عام طور پر جو شعر سننے میں اچھے لگتے ہیں پڑھتے ہوئے بہت عجیب لگتے ہیں۔ مگر ایازؔ کا کمال یہ ہے کہ یہ سننے میں ہی نہیں پڑھنے میں بھی دل میں اتر جاتا ہے۔ قدرت نے ایازؔ کو سخن بھی توانا اور حسن بھی بانکا عطا کیا ہے۔ پردیس میں رہتے ہوئے دیس کی بولی بولنا جہاں اس کی وطن پرستی کا ثبوت ہے وہاں اس کی ادب پرستی کو بھی ظاہر کرتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ایازؔ اُردو ادب کے آنگن میں بہار بن کے فضاؤں میں ابھی مزید رنگ بھرے گا۔"[۱۲]

شاعر منظر پھلواری اس ضمن میں یوں لکھتے ہیں:

"مجھے تم ہار بیٹھو گے "ایاز محمود ایاز کا ساتواں شاعری کا مجموعہ کلام منصہ شہود پر آ گیا ہے۔ اصل میں ہر موزوں طبع بڑی سہولت اور آسانی کے ساتھ غزل پہ غزل کہہ سکتا ہے مگر ایاز کے ہاں کتاب پہ کتاب آسانی سے آ رہی ہے ان کی شاعری جدید عصری تقاضوں کو پورا کرتی نظر آتی ہے۔ ان کا شعری سفر اور اسلوب، زندگی سے آشنا محسوس ہوتا ہے انہوں نے اپنے کلام کو کہیں بھی بوجھل نہیں ہونے دیا۔ گزشتہ کئی سالوں سے ان کے ادبی ذوق اور اچھے شاعر ہونے کا کمال ہے کہ انہوں نے ماحول کو جس نظر سے دیکھا ہے اسے اپنے شعری پیکر میں ڈھال دیا ہے۔"(۱۳)

ایاز کی شکل و صورت میں جو سنجیدگی، معصومیت، بے ساختگی اور ہر قسم کے تصنعات سے ماورا ایک فطری کشش ہے، بالکل یہی اوصاف ان کی شاعری میں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ایاز کی شاعری تارِ دل کو چھیڑتی ہے، ان کے لفظوں کی ترتیب اور تعبیرات کی بندش میں ایسا جادو ہے، جو قاری اور سامع کے حواس کو اپنے قابو میں کر لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا شمار نوجوان نسل کے نمایاں شعراء میں ہوتا ہے۔ ان کا تخیل بلند ہے۔ ان کی فکری وسعت ، شعری تصورات، مصرعوں کی ساخت، لفظوں کی نشست و برخاست عمدہ ہے۔ حسن عباسی ایاز کی شاعری کے بارے میں اپنی زبانی بیان کرتے ہیں:

"ایاز محمود ایاز کی گفتگو، لہجے اور شخصیت میں جو کوملتا، شگفتگی اور نرماہٹ پائی جاتی ہے وہی اس کی شاعری میں بھی ہمیں ملتی ہے۔ ایاز کی باتوں کی طرح اس کی شاعری بھی سرگوشی کرتی ہے اور زندگی کی خوبصورتیوں کو یوں قاری کے سامنے بکھیرتی ہے جیسے تتلیاں پر کھولتی ہیں۔ ایاز کی شاعری میں محبت اور زندگی ایک ساتھ سانس لیتے ہیں۔ اس لئے وہ پڑھنے والوں کو اچھی لگتی ہے۔ وہ جس رنگ میں شاعری کرتا ہے اس رنگ کی شاعری عوام میں جلدی قبول ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بہت سے اشعار لوگوں کو زبانی یاد ہیں۔ اور اس کے ہاں ایسے اشعار کی بھی کمی نہیں جن سے مشاعرہ لوٹا جاتا

ہے۔اس کے نصف درجن خوبصورت شعری مجموعوں کو دیکھ کر اس کے ہم عصر شعرا صرف اس سے حسد کر سکتے ہیں۔البتہ قارئین اس سے محبت کرتے ہیں اور ادبی دنیا کے چاند اور ستارے بھی اس کی شاعری کو سراہتے ہیں۔"(۱۴)

اعتبار ساجد ایاز کی شاعری کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"جہاں تک ایاز اور اس کی شاعری کا تعلق ہے مجھے دونوں ہی پسند ہیں۔ایاز محبت کے حوالے سے شاعری وابستگی کے حوالے سے۔ دونوں حوالے کم و کاست طمانیت بخش ہیں۔ وہ کسی کی برائی نہیں کرتا کسی سے لڑائی نہیں کرتا کیونکہ اس کا پیغام محبت ہے،امن ہے،فاختہ ہے۔اور زیتون کی شاخ ہے جس زخمی فاختہ کی چونچ میں زیتون کی ننھی شاخ ہے وہ امن کی تلاش میں اڑتی پھر رہی ہے۔ غالباً یہ دنیا بھر کے تمام ایٹمی گھروں کا چکر لگا چکی ہے جبھی بڑی طاقتیں تخفیف اسلحہ کی جانب راغب ہوئ ہیں۔ اور ہو رہی ہیں۔ کیونکہ دنیا ایٹم کی تباہ کاری کا نقشہ دیکھ چکی ہے۔ایاز کے موضوعات سخن سادہ اور سلیس ہیں۔ آسانی سے پڑھے سمجھے اور محسوس کیے جا سکتے ہیں وہ ایسا رانجھا ہے جسے ہیر کو بنانے کے لیے مکالمات افلاطون، حصہ اول تا ہشتم پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ بس ایک ونجلی کافی ہے۔ یہ بانسری اس کی شاعری ہے۔ اسی شاعری سے وہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ یہ نئ کتاب بھی اس رانجھے کی ونجلی کا نیا نغمہ ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کتنے لوگ اس پر سر دھنتے ہیں اور کتنے کان دل کی آنکھوں سے اسے سنتے ہیں۔"(۱۵)

عاطف توقیر ایاز کی شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

"کوئی عمومی راہ چلتے جیسے کوئی اچانک سے نیا موڑ دکھائی دے کر عام سے راستے کو خاص کر دیتا ہے، ویسے ہی ایاز سے ملاقات ایک نہات خوبصورت موڑ تھا۔ایاز کی شاعری پڑھنے والے کسی قاری پر یہ بات فوراً کھل جاتی ہے کہ وہ سوچ کر بات نہیں کر رہا بلکہ اس کی بات سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے۔وہ جذبوں کو پورے اعتماد اور اعتبار سے لفظوں کا پیراہن دیتا ہے اور اس کے قلم

> کے اسٹروک سے لفظ نہیں جذبے پیدا ہوتے ہیں۔ایاز کو کسی بہروپ کی ضرورت اس لیے نہیں کیوں کہ وہ جیسا ہے ویسا ہی اچھا ہے اور یہی سچائی اس کا اور اس کی کی شاعری کا جادو ہے۔وہ واقعی جادو گر ہے۔ایاز مجھے تمہیں پڑھ کر اچھا لگتا ہے، مجھے تمھیں پڑھتے رہنا اچھا لگتا رہے گا۔آباد رہو اور ایسے ہی تازہ سخن کہنے رہو۔"(١٦)

جہاں تک ایازؔ کی غزل کا تعلق ہے تو ان کی تمام تر توانائیاں اس صنف کی آبیاری کے لیے مختص نظر آتی ہیں۔محاسن شعری کے التزام اور وسائل شعری کے بر محل استعمال سے ان کا کلام آراستہ و پیراستہ نظر آتا ہے۔معروف شاعرہ تسلیم اکرامؔ ایاز محمود ایازؔ کی شاعری کے بارے میں اپنی زبانی بیان کرتی ہیں:

> "شاعری فنون لطیفہ کی ایسی جہت ہے جو زندگی کے ایسے گوشوں تک رسائی حاصل کرتی ہے جن کا بیان کرنا دوسرے فنونِ لطیفہ کے ذریعے ناممکن ہوتا ہے۔عصر حاضر میں بہت سے شعراء اپنی شعری صلاحیتوں کو چند روایتی اور رومانوی تخیلات کی نذر کر رہے ہیں،ان میں مختلف لب و لہجے والا ایک پیارا ہونہار شاعر جیسے کومل جذبوں کا شاعر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ایاز محمود ایاز کا کلام پڑھ کر اس کی صلاحیتوں کی داد دینی پڑتی ہے۔ایاز محمود ایازؔ نے سولہ سال کی عمر میں اپنا شعری مجموعہ چھپوا کر ادبی دنیا کے لوگوں کو حیرت میں مبتلا کر دیا۔اور وہ اپنا ادبی سفر ابھی تک جاری رکھے ہوئے ہیں۔ایاز محمود ایازؔ کی شاعری پڑھ کر یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہ صرف الفاظ پر مشتمل ہے بلکہ ان کی شاعری میں ان کی ذات کا عکس نمایاں نظر آتا ہے۔

مجھ کو بانہوں میں سلا لیتی ہے بچوں کی طرح
گھر کی دیواروں سے لپٹی ہے جو تنہائی میری

تنگ دستی میں وہ رکھی ہے خدا نے تاثیر
دوست احباب کی پہچان تک آ جاتی ہے

زندگی نے ضرورتوں کے عوض
میرے ہر فن کا استعمال کیا

وہ کئی عرصہ سے پیرس میں مقیم ہیں مگر ان کا دل ابھی تک پاکستان اور اس کی محبت اور تہذیب میں اٹکا ہوا ہے۔اور اس کے ساتھ ان کا ادب کے ساتھ بھی گہرا لگاؤ ہے۔ایاز محمود ایازؔ کی شاعری ان کے جذبات،احساسات اور بے تحاشا حساسیات، ان کی شخصیت کی غماز ہے۔محبت کے علاوہ ان کے ہاں ایک خود اعتمادی بھی پائی جاتی ہے۔اس کے علاوہ ان کے خیالات میں ہمت و حوصلے کے پہلو وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ایاز محمود ایازؔ کی شاعری پر نظر ڈالیں تو فکری لحاظ سے وہ بعض ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جو ان کی عمر اور تجربے سے بہت آگے کی بات ہے۔ان کی شاعری میں آپ کو ہجر و فراق، محبوب کے جلوے، غمِ جاناں سے لے کر غم دوراں تک اور جمالیات تک تمام موضوعات ملیں گے۔"(۱۷)

غزل ہو یا نظم ایازؔ نے دونوں صنفِ سخن میں جوہر دکھائے ہیں، لیکن غزل ان کی پہچان کا معتبر حوالہ ہے۔ایازؔ کے ہاں جوان جذبات کی جدت اور تجربے کی متانت ساتھ ساتھ دکھائی دیتی ہیں۔ایازؔ کی شاعری میں صفائی اور سادگی ہے۔مناسب جگہ پر مناسب الفاظ استعمال کرنا ایازؔ کی فنِ شعر پر دسترس کا ثبوت ہے۔شاعر جمشید مسرور ایازؔ کی شاعری کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

ایاز محمود ایاز نوعمری میں ہی ہجرت کے آزاروں سے گزرتا ہے۔اپنا وطن اور اپنے اہل خانہ کو چھوڑ کر نئی دنیا بسانے نکلتا ہے۔چنانچہ اس کے دل میں جذبوں کا آتش فشاں موجود ہونا کہنے کی بات نہیں۔وہ اپنی آگ ساتھ لیے پھرتا ہے۔ پھر تخلیق کے لمحات میں اسی آگ سے پھول بناتا ہے۔چنانچہ ایاز محمود ایازؔ کے پاس ایک سچے تخلیق کار کے کارخانے کے تمام لوازمات موجود ہیں۔اس کا لاہور کی گلیوں میں اکیلے پھرنا اور پیرس کے راستوں سے آشنائی پیدا کرنا ایک ہی عمل ہے۔اس کی موجودگی ایک ہی لمحے میں لاہور اور پیرس

دونوں تک ہو سکتی ہے۔ جو اس سمفنی کا باعث بنتی ہے۔ جو اس کی شاعری میں اضطراب، طمانیت کی دو رنگی کو یکرنگی میں تبدیل کرتی جا بجا نظر آتی ہے۔اپنے جذبے کے اظہار کے لیے وہ کسی روایت اور تقلید کا پابند نہیں۔ غزل اور نظم دونوں میں اظہار کی قدرت رکھتا ہے۔ وہ قدامت پسند ان معنوں میں ہے کہ ادب اور تہذیب کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا اور جدید ان معنوں میں ہے کہ اسے زنجیریں توڑنے میں لطف آتا ہے۔ (۱۸)

ڈاکٹر ابراعمر ایازؔ کی شاعری کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

"ایاز محمود ایازؔ نے جس ثابت قدمی سے اپنے فن کا سفر جاری رکھا ہے وہ نئے آنے والے شعراء کے لیے مشعلِ راہ ہے وہ غزل اور نظم دونوں میں بہترین اظہار کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اپنی غزلوں اور نظموں میں جہاں وہ محبت کے جسمانی اور روحانی فلسفے کی ترجمانی کرتا ہے وہاں وہ سیاسی اور معاشرتی استبداد کو بھی موضوعِ سخن بناتا ہے۔" (۱۹)

ایاز محمود ایازؔ نے نو عمری میں ہی اپنے وطن کو خیر آباد کہہ دیا اور پیرس میں مقیم ہو گئے۔ اپنے خوبصورت گاؤں کے سرسبز و شاداب کھیتوں پھولوں اور پرندوں کو نم آنکھوں سے الوداع کہنا ان کے لیے ایک تکلیف دہ اور کرب کا لمحہ تھا۔ یہی کرب، درد اور ہجرت کا غم جیسی کیفیات ہمیں ان کے ہاں نظر آتی ہیں، لیکن وہ اپنے اندر کی اس آگ سے پھول بنانے کا ہنر بھی رکھتے ہیں۔ ایازؔ کے ہم عصر شاعر زاہد محمود زاہد، ان کی شاعری کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"میں ایاز محمود ایازؔ کی نہ صرف شاعری بلکہ ان کی شخصیت اور ان کے واقفان ماضی و حال میں سے بھی ہوں۔ جس طرح انہوں نے دیار غیر جاتے سمے اپنے ملک اپنے عزیز و اقارب اور اپنے خوبصورت گاؤں بادشاہ پور کے سرسبز و شاداب کھیتوں، پھولوں اور پرندوں کو نم آنکھوں سے الوداع کہا وہ کیفیت، جذبات و احساسات شاعری جیسی عظیم نعمت کے ذریعے انہوں نے نقطہ بہ نقطہ دل کی روشنی سے کاغذ پر تحریر کیے۔ اور مسلسل کرتے چلے گئے۔ میری بات کے شاید ان کے دو شعر دیکھیے۔

کبھی ہجرت تو کبھی ہجر کے دکھ ہوتے ہیں
مرحلہ کتنا یہ باری ہے ہمیں جانتے ہیں
یاد گاؤں کی ساتھ ہوتی ہے
میں اکیلا کہاں ہوں پیرس میں

ایاز محمود ایازؔ پر خلوص، عمدہ اخلاق اور پر وقار شخصیت کے مالک اور حقیقت پسند انسان ہیں۔ دوستی اور محبت کے تقاضے نبھانا اور ان کی آبیاری کا ہنر خوب جانتے ہیں۔ جنہیں اللہ رب العزت نے یہ خوبیاں عطا کی ہوں وہ انسان یقیناً معاشرے کا حسن اور وقار ہوتے ہیں۔ غم زدہ ہو کر بھی محبت اور اس کی اقدار کو قائم و دائم رکھنے کا درس دیتے چند اشعار دیکھئے جو کہ ایاز محمود ایازؔ کے خوبصورت دل اور حساسیت کا احساس دلاتے ہیں۔

خدا کرے کہ تیری آرزو کے پھولوں پر
بہار رت کی فضاؤں کا آسرا ٹھہرے
ہر ایک شعر تمنا کی پھر جزیروں پر
صدائے موج گلستاں ہوں امرسی ہو
کہ بوئے گل، تیرے چہرے کے امتزاج پہ خود
تمہاری وہ ایک جھلک کو ترس ترس جائے

ایازؔ کا دوران گفتگو بھی شاعرانہ مزاج اور خوبصورت لہجہ ان پر شاعری کی دیوی کے مہربان ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ ایازؔ تخلیق کے تکلیف دہ عمل سے گزر کر اپنے خیالات کی ایسی عمدہ مصوری کرتے ہیں کہ قاری ان کو کمالِ فن کی تمام تر دل کشی کے ساتھ دکھائی دیتا ہے۔

دشمن مرے احساس مری جان کا ہے
جو شخص حوالہ میری پہچان کا ہے
سانپوں سے کہو چھوڑ دیں اب تو
یہ کام تو اس دور کے انسان کا ہے

بچپن کی خوبصورت یادوں کی عمدہ عکاسی اور مصوری کو دل کی آنکھوں سے دیکھیے۔

کھلونے ہاتھ میں ہیں اور کہیں جگنو نظر میں
مرا بچپن پھر سے بلانے لگ گیا ہے

ایازؔ کی تخلیقی بہاؤ میں خیالات انگڑائی لیتے ہوئے کس روانی اور عمدگی کے ساتھ بہتے جاتے ہیں آپ بھی دیکھیں۔

اک کڑی دھوپ ہے صحرا ہے اذیت ہے بس
پر مرے ساتھ رفاقت میں کھڑے ہیں آنسو
جب آئے گی کوئی آفت پس دیوار بیٹھو گے
مجھے محسوس ہوتا ہے مجھے تم ہار بیٹھو گے

عملی زندگی میں بھی ہمیشہ امن پسندی اور تحمل مزاجی کا درس دینے والے اس خوبصورت اور خوب سیرت انسان کو کبھی بھی جھوٹی انا اور انتقام کے خول میں نہیں دیکھا۔ شاعری میں بھی جابجا اس کی عمدہ سوچ کی عکاسی نظر آتی ہے۔

کوئی کرتا ہے کرے لاکھ برائی میری
میری جانب سے شکایت نہیں آنے والی
دل دردو مصائب کا سفر کاٹ رہا ہے
کاٹا تو نہیں جاتا مگر کاٹ رہا ہے
دشمن مرے احساس مری جان کا ہے
جو شخص حوالہ میری پہچان کا ہے

ملکی صورتحال اور عوام کی محرومیوں پر ہمیشہ انہیں فکرمند دیکھا گیا۔ ایازؔ اس کا اظہار پاکستان کے مختلف ٹی وی چینلز پر انٹرویوز اور فرانس میں تقاریب کے دوران کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے وطن سے بے پناہ محبت کا اظہار کتنے خوبصورت انداز میں کیا ہے دیکھیے:

اک چمن ہے ہمارا یہ پیارا وطن
یہ چمن تا قیامت سلامت رہے

> اردو ادب سے محبت اور اس کی ترویج کے لیے ان کا کام پاکستان اور دوسرے ممالک میں کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ۔ فرانس میں بزم اہل سخن کے جنرل سیکرٹری ہونے کا ناطے ایازؔ اور ان کی پوری ٹیم اردو ادب کی جو خدمت کر رہے ہیں انہیں خراج تحسین پیش کرتا ہوں ۔ اللہ پاک ان کی توفیقات میں اضافہ کریں۔ آمین "(۲۰)

ایازؔ کی شاعری میں سہلِ ممتنع کی عمدہ مثالیں موجود ہیں۔ وہ بڑی سے بڑی بات کو بھی اتنے آسان اور سادہ انداز میں بیان کرتے ہیں کہ پڑنے والا داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بعض اوقات ایازؔ نے مشکل سے مشکل زمینوں میں بھی انتہائی جاندار، اعلیٰ اور شاندار اشعار کہے ہیں جو ان کی قادر الکلامی کی دلالت کرتے ہیں۔ سید سلیمان گیلانی ایاز محمود ایازؔ کی شاعری کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں :

> "سو آج بات "مجھے تم ہار بیٹھو گے "پر کرنی ہے جو ایازؔ کے فکری روپ کا خود اس کی اپنی شخصیت کی طرح ایک ایسا عکس جمیل ہے کہ جس کے پس منظر میں وہ تمام فکری عناصر ، شعری روایات، ذہنی و علمی رویے اپنی چھپ دکھاتے نظر آتے ہیں جو ایازؔ نے اپنے اساتذہ اپنے مربیان، اپنے خاندانی بزرگوں اور مشاہیر سے فکری ورثہ کے طور پر حاصل کئے ہیں۔ اور جنہیں ایازؔ نے اپنی اپچ اور سوچ سے مزید بالیدگی بخشی ہے۔ اور یہ فکری ورثہ عبارت ہے ادب، مذہب سیاست وطن دوستی حق گوئی و بے باکی اور اپنے جلیل القدر اسلاف سے گہری عقیدت و وابستگی سے۔۔۔
>
> یہ مذکورہ عناصر اس کی غزلوں اور نظموں میں یوں گندھے ہوئے ہیں جیسے خوشبو پھول میں۔ اور یہ شاید اس اعلیٰ و ارفع فکری ورثاء کی دین ہے کی ایازؔ اپنے عین شباب میں غزل میں اظہار و بیان کے ان روایتی اسالیب کے مصنوعی سانچوں سے بہت جلد دستکش ہو گیا۔ جو اکثر شاعروں کو بڑھانے میں بھی زلف و رخسار کی باتوں سے آگے نہیں بڑھنے دیتے۔ اس ضمن میں مولانا الطاف حسین حالیؔ کے اس مشورہ کا تذکرہ بے جا نہ ہو گا کہ غزل کو محض عشقیات میں اور عشقیات کو محض ہوا و بوس کے مضامین تک محدود رکھنا

ٹھیک نہیں بلکہ اس کو ہر قسم کے جزیات کا آرگن بنانا چاہیے۔اور حق یہ ہے کہ ایازؔ نے اس مشورہ پر جس ماہرانہ صناعی کے ساتھ عمل کیا ہے وہ جہاں ان شاعروں کے لیے غور طلب امر ہے جو عہد پیری میں بھی اپنے تن و من فکر کو شاب و کباب کی حدود سے آگے نہیں بڑھنے دیتے وہاں خود اس کی غزل کے کینوس کی بہت حسین وسعتیں عطا کرنے کا سبب بھی بنا ہے ایسی وسعتیں جن میں رنگا رنگ کے پھول اپنی اپنی بہار دکھا رہے ہیں مگر یہ واضح رہے کہ ان پھولوں کی بو باس ایسی نہیں جو ہمیں ماحول سے بے خبر کر دے بلکہ یہ گلہائے فکر تو وہ ہیں جو زندگی کے حقائق و مسائل کی شناخت و معرفت کے لئے ہمارے لیے روشنی اور صفائی کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ ایازؔ نے میری طرح سہل ممتنع شاعری کی ہے اس کی شاعری روایت وجدت کا امتزاج ہے۔ بعض اوقات بڑی بڑی مشکل زمینوں میں انتہائی جاندار اور شاندار اشعار کہے ہیں۔ وہ نہ صرف کہنہ مشق شاعروں کے لیے باعث حیرت ہیں بلکہ اس کی قادر الکلامی پر بھی دلالت کرتے ہیں۔ میں آخر میں جناب امجد اسلام امجد، جناب عطاالحق قاسمی، جناب عباس تابش، جناب حسن عباسی، جناب وصی شاہ، جناب اعتبار ساجد، جناب افضل عاجز اور جناب مظہر پھلوری کی حرف بہ حرف تائید کرتا ہوں جو ان سب نے اس کتاب پر اپنی اپنی آراء و تقریظات میں فرمایا ہے۔ کسی دانشور نے کہا تھا کہ محاسن کا حق ہے ان کی تعریف کی جائے لٰہذا میں نے جو کچھ عرض کیا ایاز محمود ایازؔ اس کا واقعی حقدار ہے۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کے محاسن میں مزید حسن اور نکھار پیدا کرے۔ "(۲۱)

ایازؔ جدید لب و لہجہ کے شاعر ہیں۔ایازؔ کی شاعری جوان جذبات کی ترجمان ہے۔ان کی شاعری لطیف احساسات اور مہکتے جذبوں سے عبارت ہے۔خوب صورت الفاظ کا چناؤ اور مؤثر تشبیہات و استعارات ان کے کلام کا عمدہ وصف ہے۔ایازؔ کی شاعری محبت کی شاعری ہے۔یہ محبت ہی ہے جو زندگی کی تصویر لفظوں میں بناتی ہے۔ایاز محمود ایازؔ نے زندگی کے تمام پہلوؤں کو بڑی ہنر مندی اور دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔

تصانیف:

ایازؔ ایسے شاعر ہیں جو دنیا کہ سربستہ رازوں سے اچھی طرح ہم آہنگ ہیں۔ ان کا عظیم مقصد شاعری کے ذریعے معاشرے میں پیدا ہونے والے مختلف منفی و مثبت پہلوں کی نشاندہی کرنا ہے۔ ایاز محمود ایازؔ کے اب تک سات شعری مجموعے جن میں: "خزاں کی آخری شب"، "ترکِ مراسم"، "تنہائی سے ڈر لگتا ہے"، "سنو ایسا نہیں کرتے"، آرزوئے جاں (نعتیہ مجموعہ)"، "تم شرطِ زندگی ہو" اور "مجھے تم ہار بیٹھو گے" منظر عام پر آچکے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک شعری مجموعہ "میری تشنگی کا خیال کر" کے نام سے زیرِ طبع ہے۔ شاعر افضل عاجز مجموعہ "مجھے تم ہار بیٹھو گے" میں لکھتے ہیں:

> "ایاز کا یہ ساتواں شعری مجموعہ ہے۔ یعنی ایاز جوانی میں ہی ساتویں بچے کا باپ بن چکا ہے۔ میں نے ایاز کو سنا بھی ہے اور پڑھا بھی ہے اور دونوں کا لطف اٹھایا ہے"(۲۲)

شاعر جمشید مسرور اس ضمن میں بیان کرتے ہیں:

> "تخلیق کی خداداد جوہر کے علاوہ محنت میں بھی یہ کسی سے پیچھے نہیں۔ اتنی نو عمری میں شاعری کی سات کتابیں تخلیق کر چکا ہے۔ جو اپنی جگہ ایک کارنامے سے کم نہیں۔"(۲۳)

ذیل میں ایاز محمود ایازؔ کی تصانیف کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔

خزاں کی آخری شب:

"خزاں کی آخری شب" ایاز محمود ایازؔ کا پہلا شعری مجموعہ ہے۔ جو محض ۱۶ سال کی عمر میں شائع ہوا۔ جسے ۱۰ دسمبر ۱۹۹۹ء کو پانچ سو تعداد کے ساتھ آرٹ گیلری لاہور پاکستان نے شائع کیا۔ اس کے ناشر میں انیس احمد اور محمد جنید اکرم شامل ہیں۔

ترکِ مراسم:

"ترکِ مراسم "ایاز محمود ایازؔ کا دوسرا شعری مجموعہ ہے۔جو ۲۰۰۱ء میں زاہد بشیر پرنٹرز لاہور سے شائع ہوا۔ کتاب کا انتساب ایاز محمود ایازؔ نے اپنے والدِ محترم کے نام سے منسوب کیا ہے۔ مجموعے کا سرورق عبید اللہ نے بنایا۔

تنہائی سے ڈر لگتا ہے:

"تنہائی سے ڈر لگتا ہے "ایاز محمود ایازؔ کا تیسرا شعری مجموعہ ہے۔اس کی اشاعت اول مئی ۲۰۰۴ء اور اشاعت دوم فروری ۲۰۱۹ء میں حاجی منیر اینڈ سنز پریس، لاہور کی زیرِاہتمام ہوئی۔ کتاب کے پہلے ایڈیشن کا انتساب ایاز نے اپنے کزن زبیر کریم کے نام اور دوسرے ایڈیشن کا انتساب، گلاسکو (سکاٹ لیڈ) میں مقیم معروف شاعرہ محترمہ راحت زاہد کے نام سے منسوب کیا ہے۔ مجموعے کا سرورق حمدان خالد نے بنایا۔

سنو ایسا نہیں کرتے:

"سنو ایسا نہیں کرتے "ایاز محمود ایازؔ کا چوتھا شعری مجموعہ ہے۔جو ۲۰۰۵ء میں گفتگو پبلیکیشن لاہور کے زیرِاہتمام شائع ہوا۔اس مجموعہ کا انتساب ایاز محمود ایازؔ نے اپنے بڑے بھائی شبیر احمد کے نام سے منسوب کیا ہے۔ مجموعے کا سرورق انیس احمد نے بنایا ہے۔

آرزوئے جاں:

"آرزوئے جاں "ایاز محمود ایازؔ کا پانچواں شعری (نعتیہ) مجموعہ ہے۔جو ستمبر ۲۰۰۸ء میں عمر پریس، لاہور سے شائع ہوا۔ کتاب کا انتساب شیخ اسلام ڈاکٹر طاہر القادری کے نام سے منسوب ہے۔ مجموعے کا سرورق عبید اللہ، لاہور نے بنایا۔

تم شرطِ زندگی ہو:

"تم شرطِ زندگی ہو" ایاز محمود ایازؔ کا چھٹا شعری مجموعہ ہے۔اس کی اشاعت اول ۲۰۰۹ء میں سیوا پبلی کیشنز، لاہور اور اشاعت دوم جنوری ۲۰۱۹ء میں حاجی منیر اینڈ سنز پریس لاہور کے زیرِ اہتمام ہوئی۔ کتاب کے پہلے ایڈیشن کا انتساب ایاز محمود ایازؔ نے اپنی شریک حیات کے نام اور دوسرے ایڈیشن کا انتساب، سرپرست اعلیٰ بزم اہل سخن پیرس جناب شیخ نعمت اللہ صاحب، جناب ابو طلحہ اسحاق سید، جناب آصف جاوید عاصی، جناب توقیر احمد بھٹی ایڈوکیٹ اور جناب سید رضاالحق شاہ کے نام سے منسوب کیا ہے۔ کتاب کا سرورق آغا نثار نے بنایا۔

مجھے تم ہار بیٹھو گے:

"مجھے تم ہار بیٹھو گے" ایاز محمود ایازؔ کا ساتواں شعری مجموعہ ہے۔ یہ پہلی مرتبہ ۲۰۱۹ء میں حاجی حنیف پریس لاہور سے شائع ہوا۔ کتاب کا انتساب ایازؔ نے اپنے چچا ڈاکٹر تنویر احمد شائق سے منسوب کیا ہے جو سابق ڈائریکٹر جنرل ہیلتھ پنجاب تھے۔ مجموعے کا سرورق محمد احسن گل نے بنایا۔

ایوارڈز/اعزازات:

ایاز محمود ایازؔ کو ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں اور شعری مجموعوں پر کئی ملکی اور غیر ملکی اعزازات اور ایوارڈز سے نوازا گیا۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

- شہناز مزمل ادبی ایوارڈ ۲۰۱۴ء
- وجدان ادبی ایوارڈ ۲۰۱۵ء
- عاشق رندھاوی ایوارڈ ۲۰۱۹ء
- بشیر رحمانی ادبی ایوارڈ ۲۰۱۹ء۔۲۰۲۰ء
- سفیرِ سخن ایوارڈ ۲۰۲۰ء
- مصور انٹرنیشنل ایوارڈ ۲۰۲۰ء

حوالہ جات

۱۔ ایاز محمود ایازؔ، "مجھے تم ہار بیٹھو گے" (لاہور: حاجی حنیف پریس، ۲۰۱۹ء) ص ۱۲

۲۔ ایضاً، ص ۱۴

۳۔ ایاز محمود ایازؔ، انٹرویو (لاہور)، ۲۰ فروری ۲۰۲۱ء، دن ۱۰ بجے

۴۔ ایاز محمود ایازؔ، انٹرویو (لاہور)، ۲۰ فروری ۲۰۲۱ء، دن ۱۱ بجے

۵۔ ایاز محمود ایازؔ، انٹرویو (لاہور)، ۲۱ فروری ۲۰۲۱ء، دن ۳ بجے

۶۔ ایاز محمود ایازؔ، انٹرویو (لاہور)، ۲۱ فروری ۲۰۲۱ء، دن ۵ بجے

۷۔ ایاز محمود ایازؔ، انٹرویو (لاہور)، ۲۲ فروری ۲۰۲۱ء، دن ۲ بجے

۸۔ ایاز محمود ایازؔ، انٹرویو (لاہور)، ۲۲ فروری ۲۰۲۱ء، دن ۴ بجے

۹۔ ایاز محمود ایازؔ، انٹرویو (لاہور)، ۲۳ فروری ۲۰۲۱ء، دن ۱ بجے

۱۰۔ ایاز محمود ایازؔ، انٹرویو (لاہور)، ۲۳ فروری ۲۰۲۱ء، دن ٦ بجے

۱۱۔ ایاز محمود ایازؔ، انٹرویو (لاہور)، ۲۴ فروری ۲۰۲۱ء، دن ۵ بجے

۱۲۔ ایاز محمود ایازؔ، "مجھے تم ہار بیٹھو گے" (لاہور: حاجی حنیف پریس، ۲۰۱۹ء) ص ۱٦

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۷

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۰

۱۵۔ اعتبار ساجد، انٹرویو (لاہور)، ۱ مارچ ۲۰۲۱ء، دن ۱۰ بجے

۱٦۔ ایاز محمود ایازؔ، "تنہائی سے ڈر لگتا ہے" (لاہور: حاجی منیر اینڈ پریس، ۲۰۰۴ء) ص ۱٦

۱۷۔ تسلیم اکرام، انٹرویو (اسلام آباد)، ۲۰ مارچ ۲۰۲۱ء، شام ۴ بجے

۱۸۔ جمشید مسرور، انٹرویو (لاہور)، ۲ مارچ ۲۰۲۱ء، دن ۱۱ بجے

۱۹۔ ایاز محمود ایاز، "تنہائی سے ڈر لگتا ہے" (لاہور: حاجی منیر اینڈ پریس، ۲۰۰۴ء) ص ۱۵

۲۰۔ زاہد محمود زاہد، انٹرویو (لاہور)، ۳مارچ ۲۰۲۱ء، دن ۱۲ بجے

۲۱۔ سید سلیمان گیلانی، انٹرویو (لاہور)، ۴مارچ ۲۰۲۱ء، دن ۱۰ بجے

۲۲۔ ایاز محمود ایاز، "مجھے تم ہار بیٹھو گے" (لاہور: حاجی حنیف پریس، ۲۰۱۹ء) ص ۱۶

۲۳۔ جمشید مسرور، انٹرویو (لاہور)، ۲مارچ ۲۰۲۱ء، دن ۱۱ بجے

باب دوم

اُردو غزل گوئی کی روایت

صنفِ غزل کا تعارف:

غزل اُردو کی مقبول ترین صنف شعر ہے۔رشید احمد صدیقی نے غزل کو "اردو شاعری کی آبرو" کہا ہے۔"غزل" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "عورتوں سے" یا "عورتوں کے متعلق" باتیں کرنے کے ہیں۔ہرن کے منہ سے خوف کے وقت جو دردناک چیخ نکلتی ہے اسے بھی غزل کہا جاتا ہے۔غزل کی صنف دنیا میں صرف دو زبانوں فارسی اور اُردو میں موجود ہے۔اس ضمن میں پروفیسر انور جمال اپنی کتاب "ادبی اصطلاحات" میں رقمطراز ہیں:

> "اردو اور فارسی کے علاوہ دنیا کے کسی شعری ادب میں غزل کی ہئیت موجود نہیں۔انگریزی میں جو نظم باطنی طور پر غزل کے قریب ہے وہ *lyric* ہے۔"[1]

اگرچہ غزل کے مضامین عربی قصیدے میں، تشبیب میں موجود تھے لیکن ایران کی فتح کے بعد قصیدہ کی صنف عربی سے فارسی میں آئی تو ایران والوں نے قصیدے کے تشبیب کو الگ کر کے اسے غزل کا نام دیا۔اور اس کے بعد غزل کو مستقل صنف سخن کا درجہ ملا۔اُردو میں یہ صنف اپنے مخصوص مزاج اور لوازمات سمیت فارسی سے آئی۔اردو میں ولی دکنی کو اُردو غزل کا "باوا آدم" کہا جاتا ہے۔

ہیئت کے اعتبار سے غزل ایک ایسی صنف سخن ہے جو کم سے کم پانچ اشعار پر مشتمل ہوتی ہے۔ہر غزل کسی بحر میں ہوتی ہے اور اس کے تمام مصرعے ہم وزن ہوتے ہیں۔قدیم شعراء ایک ہی وزن اور بحر میں ایک سے زیادہ غزلیں لکھا کرتے تھے۔جنہیں بل لترتیب دوغزلہ، سہ غزلہ اور چہار غزلہ وغیرہ کہتے تھے۔غزل کے دونوں مصرعوں میں ردیف اور قافیہ کا اہتمام ہوتا ہے۔اگر غیر مردف غزل ہو تو اس میں صرف کافیہ کی پابندی لازمی ہوتی ہے۔غزل کے پہلے شعر کو مطلع کہتے ہیں بعض اوقات شاعر غزل میں ایک کی بجائے دو یا اس سے زیادہ مطلے لاتا ہے۔اس صورت میں پہلا شعر مطلع اول، دوسرا مطلع ثانی، تیسرا مطلع ثالث اور چوتھا حسن مطلع کہلاتا ہے۔غزل کا آخری شعر جس میں شاعر بالعموم نام اپنا تخلص استعمال

کرتا ہے، مقطع کہلاتا ہے۔ یہ تخلص مختصر نام بھی ہو سکتا ہے جیسے غالبؔ،اور کبھی شاعر اپنے نام کا ایک جز جیسے میرؔ،فیضؔ وغیرہ بطور تخلص استعمال کرتا ہے۔ اگر غزل کے آخری شعر میں تخلص موجود نہیں ہے تو اہل زبان کے نزدیک اسے مقطع نہیں بلکہ غزل کا آخری شعر کہیں گے۔

غزل کا ہر شعر معنوی اعتبار سے مکمل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس نظم ایک ہی موضوع پر لکھی جاتی ہے اور اس کے تمام اشعار اسی موضوع سے متعلق ہوتے ہیں۔ غزل مسلسل بھی ہوتی ہے جس میں مضامین ہم آہنگ اور مسلسل ہوتے ہیں۔ تاہم غزل کی ہیئت کے ضمن میں بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اس میں مسلسل مفہوم پایا جانا ضروری نہیں اور اکثر غزل کا ہر شعر معنوی اعتبار سے الگ اور مکمل ہوتا ہے۔ بعض اوقات غزل کے ایک شعر میں جو مضمون بیان ہوتا ہے تو دوسرے اشعار کے مضامین اس سے مختلف، الگ اور متضاد ہوتے ہیں۔ منصف خان سحاب اپنی کتاب "نگارستان" میں اسی ضمن میں رقمطراز ہیں:

> "غزل کا ہر شعر اپنی جگہ مستقل اکائی کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر شعر ایک مکمل مضمون ہوتا ہے۔ بعض اوقات پوری غزل میں ایک ہی مضمون ہوتا ہے اور بعض اوقات ہر شعر میں الگ الگ مضمون ہوتا ہے۔ ایک شعر میں اگر محبوب کے حسن کی کیفیت بیان کی جاتی ہے تو دوسرے شعر میں ظلم و ستم اور تیسرے میں ہجر کا دکھ بیان کیا جاتا ہے۔ چوتھے میں خدا تعالٰی کی محبت کا راگ الاپا جاتا ہے۔"(۲)

طرزِ ادا کے لحاظ سے غزل میں ایجاز و اختصار کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ایمائیت، رمزیت، اشاریت، معنی خیزی اور علامتی زبان غزل کا خاص وصف ہے۔ چونکہ غزل میں طول کلامی کی گنجائش نہیں ہوتی اس لیے معنی کی وسعتوں کو رموز اور علائم میں سمیٹا جاتا ہے۔ ان علائم میں بیسیوں الفاظ ایسے ہیں جو معنوی وسعتوں کے در وا کر دیتے ہیں اور شعر کے دو مصرعوں میں ایک جہان معنی آباد ہو جاتا ہے۔ غزل کے فن میں اسلوب کی اہمیت بنیادی ہے۔ ایک عمدہ مضمون کو شاعر صفائی اور سادگی سے پیش کر کے بھی اس میں تاثیر بھر دیتا ہے۔ کبھی وہ تمثیل، صنعت، مجاز اور کنایہ سے کام لیتا ہے کبھی تشبیہ و

استعارہ سے تاثیر کا جادو جگاتا ہے۔ غزل کی علامتی زبان اکثر استعارے کا روپ اختیار کرتی ہے۔ ایک شعر میں کبھی ایک لفظ استعارہ ہوتا ہے اور کبھی پورا شعر استعارے کی زبان میں ادا ہوتا ہے۔ غزل کے اشعار میں کبھی اشاریت اور کبھی اشاریت در اشاریت ہوتی ہے۔ تاہم یہ شاعر کا اسلوب ہے جو فکر و فن کو ہم آہنگ کر کے شعر کو نشتر بناتا ہے۔

غزل کی مختلف تعریفیں:

غزل عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی "عورتوں یا عورتوں کے متعلق باتیں کرنا ہے۔"ہرن کے منہ سے خوف کے وقت جو دردناک اور عجیب نحیف سی آواز نکلتی ہے، اسے بھی غزل کہتے ہیں۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو غزل وہ صنف شاعری ہے جس میں عشق و محبت، حسن و شباب اور واردات و کیفیاتِ محبت کو بیان کیا جاتا ہے۔ غزل کے انہی اصطلاحی معانی کے حوالے سے قدیم غزل میں صرف عاشقانہ واردات، معاملہ بندی اور ہجر و وصال کے پر درد و پر سوز مضامین ملتے ہیں لیکن وقت کے ساتھ ساتھ غزل کے دامن میں وسعت آتی چلی گئی اور اس کا دائرہ کار وسیع ہوتا چلا گیا۔ اب غزل کی وسعت دامانی کا یہ انداز ہے کہ غزل میں حسن و عشق کے جذبات کے ساتھ ساتھ اخلاق و تصوف، سیاست، معاشرت، فلسفہ، مناظرِ قدرت اور حکیمانہ خیالات جیسے موضوعات بیان ہونے لگے ہیں۔ رفیع الدین ہاشمی اپنی کتاب "اصنافِ ادب" میں غزل کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> "غزل اردو کی مقبول ترین صنفِ شعر ہے۔ غزل کے لغوی معنی عورتوں یا عورتوں کے متعلق گفتگو کرنا ہیں۔ ہرن کے منہ سے بوقتِ خوف جو دردناک چیخ نکلتی ہے، اس کو بھی غزل کہتے ہیں۔ اس نسبت سے غزل وہ صنفِ شعر ہے، جس میں حسن و عشق کی مختلف کیفیات کا بیان ہو اور اس میں درد و سوز نمایاں ہو۔ اصطلاحاً غزل کی مختلف تعریفیں کی گی ہیں، جن کا مفہوم یہ ہے کہ غزل کے ہر شعر میں ایک مکمل مفہوم ادا ہوتا ہے۔ ہر شعر اپنا اپنا الگ مفہوم دیتا ہے۔"(۳)

ڈاکٹر محمد خاں اور ڈاکٹر اشفاق احمد ورک اپنی کتاب اصنافِ نظم و نثر میں غزل کی تعریف کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

"غزل فارسی زبان کے لفظ غزال سے نکلا ہے، جس کے معنی ہرن کے ہیں۔ ہرن ایک آزاد اور جنگلی جانور ہے، جو کسی قید یا ضابطے کو پسند نہیں کرتا۔ روایت ہے کہ جب کبھی شکار یا گرفتار کیا جاتا ہے تو وہ نہ صرف شدید ردِ عمل کا اظہار کرتا ہے بلکہ اس کے حلق سے بڑی خوف ناک اور درد بھری آوازیں نکلتی ہیں۔ پرانے زمانے میں یہ صنفِ سخن چونکہ شاعر کے ذاتی دکھ، ہجر و فراق اور زمانی و زمینی مصائب کے بیان کے لیے مخصوص تھی، اس لیے اسے غزل کا نام دیا گیا۔ اصطلاح میں غزل سے مراد عورتوں سے باتیں کرنا یا عورتوں کی باتیں کرنا بھی لیا جاتا ہے۔ ابتدا میں یہ صنف محض عشق و محبت اور شاعر کی باطنی کیفیات کے بیان تک محدود تھی، رفتہ رفتہ اس کے دائرہ کار میں وسعت آتی چلی گئی اور اس نے دنیا جہاں کے مسائل و موضوعات کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔"[۴]

منصف خان سحاب اپنی کتاب "نگارستان" میں غزل کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ :

"اصطلاح میں غزل شاعری کی وہ قسم ہے جس میں معاملاتِ حسن و عشق کا بیان خلوص دل کی چاشنی کے ساتھ موجود ہو، دل کے جذبات کا اظہار، ہجر و وصال کی کیفیات، شکایت زمانہ، تصوف اور حقیقت و عرفان کے موضوعات بیان کیے جائیں۔ غزل کا دائرہ محدود نہیں بلکہ بے پناہ ہے۔ اگر ایک طرف شاعر ذاتِ باری سے اظہار عقیدت کرتا ہے تو دوسری طرف اپنے مجازی محبوب کی اداؤں اور رعنائیوں کا بھی ذکر کرتا ہے۔ غزل حسن و عشق، علم عرفان، ہجر و وصال، سوز و گداز اور موسیقیت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی وہ صنف ہے جس کے نغمانی اثر اور لہجے کے زیر و بم سے ہر ایک متاثر ہوتا ہے۔"[۵]

دیگر اصنافِ سخن کی مقابلے میں غزل کا ایک خاص مزاج اور ماحول ہوتا ہے۔ اس کا ہر شعر اپنی جگہ مکمل ہوتا ہے اور اپنی جگہ مکمل موضوع رکھتا ہے۔ غزل کا پہلا شعر جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوں، مطلع کہلاتا ہے۔ اس کے بعد غزل کے ہر شعر کا دوسرا مصرعہ ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتا ہے۔ اگر غیر مردف غزل ہو تو اس میں صرف قافیہ کی پابندی لازمی ہو گی۔ غزل کے دوسرے شعر کے

دونوں مصرعوں میں بھی ردیف اور قافیہ پایا جائے تو اسے حسنِ مطلع یا مطلعِ ثانی کہتے ہیں۔اگر غیر مردف غزل (جو بغیر ردیف کے ہوتی ہے) ہو تو ایسی غزل میں ،اس کا پہلا شعر مطلع نہیں بلکہ غزل کا پہلا شعر کہلائے گا۔غزل کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے اسے مقطع کہتے ہیں،اگر غزل کے آخری شعر میں تخلص موجود نا ہو تو اسے مقطع کی بجائے غزل کا آخری شعر کہا جائے گا۔پروفیسر انور جمال اپنی کتاب "ادبی اصطلاحات" میں یوں رقمطراز ہیں:

> "غزل مقبول ترین صنفِ سخن ہے۔غزل،شاعری کا وہ پیکرِ حسن ہے جس میں پانچ یا زیادہ اشعار ہوتے ہیں۔رمز،ایمائیت،سوز و گداز،موسیقیت اور ایجاز اس کے کیفیتی (باطنی) خواص ہیں۔وارداتِ حسن و عشق،کربِ ذات کا بیان،غمِ دوراں کا تذکرہ اس کے موضوعات ہیں۔پہلے شعر (مطلع) کے ہر دو مصرعوں میں ردیف و قافیے کا التزام اور پھر ہر شعر کے مصرعہِ ثانی میں ردیف و قافیے کی پابندی اس کے خارجی اور ہئیتی اصول ہیں۔اردو اور فارسی کے علاوہ دنیا کے کسی شعری ادب میں غزل کی ہئیت موجود نہیں۔انگریزی میں جو نظم باطنی طور پر غزل کے قریب ہے وہ *lyric* ہے۔قیس رازی نے المعجم میں غزل کے سلسلے میں کلب و غزال (کتے اور ہرن) کی جو تمثیل بیان کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لفظ غزل غزال سے ہی نکلا ہو گا۔عربی قصیدے کا اولین حصہ تشبیب فارسی میں قصیدے سے الگ ہو کر غزل کے روپ میں جلوہ نما ہوا اور اردو ادب کے دامنِ بہار میں گلریزی کرنے لگا۔اردو میں غزل واحد صنفِ سخن ہے جو غمِ جاناں،غمِ ذات اور غمِ دوراں کو تخلیقی اظہار دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔"[۶]

غزل کا ہر شعر ایک الگ اور جدا مضمون اور موضوع کا حامل ہوتا ہے۔یہی غزل کا حسن ہے۔اگر غزل میں معانی و مضمون کے اعتبار سے مسلسل اور مربوط اشعار لائے جائیں تو ایسے اشعار کو "قطہ بند" کہتے ہیں۔اختصار،بلاغت،سادگی،سوز و گداز اور خیال کی ندرت وجدت اور بلندی خیال اچھی غزل کی خصوصیات ہیں۔غزل کی زبان بالعموم سادہ،سلیس اور شستہ ہوتی ہے تشبیہ و استعارہ اور صنائع بدائع کا موزوں،متوازن اور مناسب استعمال غزل میں حسن و دلکشی پیدا کرتا ہے۔

اُردو غزل کا آغاز وارتقاء:

مثنوی کی طرح غزل کا آغاز بھی ایران سے ہوا۔ رودکی فارسی غزل کے سب سے پہلے شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اُردو میں غزل کا آغاز دکن سے ہوا۔ محمد قلی قطب شاہ اردو کے پہلے غزل گو شاعر ہیں۔ لیکن ولیؔ دکنی نے سب سے پہلے ردیف کے اعتبار سے اپنا دیوان مرتب کیا۔ اسی وجہ سے محمد حسین آزادؔ نے ولی دکنی کو اردو شاعری کا باوا آدم قرار دیا۔ ڈاکٹر رافیع الدین ہاشمی اپنی کتاب "اصنافِ ادب" میں اُردو غزل کے آغاز کے متعلق لکھتے ہیں کہ :

> "اُردو غزل، فارسی غزل کی مرہونِ منت ہے۔ ولی دکنی اردو کا پہلا قابلِ ذکر غزل گو ہے۔ اُسے اُردو غزل کا "باوا آدم" کہا جاتا ہے۔"(۷)

ڈاکٹر محمد خاں اور ڈاکٹر اشفاق احمد ورک اپنی کتاب "اصنافِ نظم و نثر" میں اُردو غزل کے آغاز کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :

> "غزل اپنے مخصوص مزاج اور لوازمات سمیت فارسی سے اردو میں آئی۔ اردو میں اس کا آغاز ۱۶۷۰ء کے قریب دکن سے ہوتا ہے۔ دکن کے اس وقت کے فرماں روا قلی قطب شاہ چونکہ خود شاعر تھے، جب انھوں نے غزل لکھنا شروع کی تو "ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں" کے مصداق پورے دکن میں غزل کا چرچا ہونے لگا۔ اس صنف کی خوش قسمتی کہ اسے ابتدا ہی میں ولی دکنی جیسا شاعر میسر آگیا۔"(۸)

منصف خان سحاب اپنی کتاب "نگارستان" میں غزل کے آغاز کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

> "یہ ایرانی صنف ہے اور فارسی کے ساتھ ہندوستان آئی اور اب یہ اردو میں بقول رشید احمد صدیقی، اردو شاعری کی آبرو ہے۔"(۹)

۱۷۳۰ء میں ولی دکنی کا دیوان جب دلی پہنچا تو اسے بہت شہرت ملی اور شاعری کی دنیا میں ایک ہمہ گیر تحریک کا باعث بنا۔ وہ شعرا جو اردو میں شعر کہنا اپنی شان کی خلاف سمجھتے تھے اب اردو غزل کی طرف متوجہ ہوئے اور اردو میں دیوان مرتب کرنے لگے۔ شمالی ہند میں ولیؔ دکنی کے بعد شاہ مبارک آبروؔ، سراج

الدین علی خان آرزوؔ، شاہ حاتمؔ، مرزا مظہرؔ، شاکر ناجیؔ اور تاباںؔ وغیرہ اردو غزل کے نمایاں شاعر گزرے ہیں۔اسی ضمن میں ڈاکٹر محمد خاں اور ڈاکٹر اشفاق احمد ورک اپنی کتاب "اصنافِ نظم و نثر" میں لکھتے ہیں کہ:

> "یہی وجہ ہے کہ جب ۱۷۳۰ میں ان کا دیوان دلی پہنچا تو دنیائے شاعری میں دھوم مچ گئی۔ہر شاعر لپک کر آیا اور اردو غزل کی زلفوں کا اسیر ہو گیا۔شمالی ہند کے اس پہلے دور میں آبرو اور حاتم کے نام سب سے نمایاں ہیں۔"(۱۰)

اُردو غزل میں اس کے بعد کا دور میرؔ و سوداؔ کا دور کہلایا۔میر تقی میرؔ، مرزا رفیع الدین سوداؔ، خواجہ میر دردؔ، سوزؔ، قائمؔ، یقینؔ جیسے شعرا نے غزل کے ارتقاء میں قابلِ قدر حصہ ڈالا۔اردو غزل کو ایسے مضامین و موضوعات دیے جس سے غزل کی وسعت میں اضافہ ہوا۔اس دور کے سب بڑے شاعر میر تقی میرؔ ہیں جنہیں سرتاجِ شعراء اور اُردو غزل کی آبرو جیسے القابات سے نوازا گیا۔میرؔ کی عظمت کا اعتراف نا صرف ان کے معاصر شعرا نے کیا بلکہ ان کے بعد آنے والے شعرا بھی میرؔ کی ہمسری کا دعویٰ نہ کر سکے۔خواجہ میر دردؔ نے اپنی غزل میں عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی کا خوبصورت امتزاج پیدا کیا، وہ اپنی صوفیانہ شاعری کی وجہ سے اردو غزل میں ایک الگ مقام رکھتے ہیں۔مرزا رفیع الدین سوداؔ اگرچہ اردو قصیدہ نگاری کی طرح غزل میں وہ بلند مقام حاصل نہ کر سکے، تاہم ان کی غزل موضوعات اور مضامین کی اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے۔

دلی جب اجڑی تو اہلِ ادب دلی سے لکھنو کی طرف ہجرت کرنے لگے۔دلی کی بجائے اب لکھنو ادب کا مرکز بنا۔لکھنو میں اُردو شاعری خاص طور پر اردو غزل کو خوب ترقی ملی۔اس ضمن میں محمد سہل بھٹی اپنی کتاب (تالیف) اُردو جنرل انشائیہ میں لکھتے ہیں کہ:

> "دلی اجڑی تو ادب کا مرکز لکھنؤ منتقل ہو گیا۔اہل کمال اور شعراء ادبا اپنی جان مال، عزت آبرو بچانے کی خاطر لکھنؤ کا رخ کرنے لگے اور لکھنؤ اردو شاعری کا گہوارہ بن گیا۔نوابانِ لکھنؤ کی حوصلہ افزائی اور قدر دانی کی وجہ سے شاعری خوب پھلی پھولی اور خاص طور پر غزل کو خوب عروج ملا۔اس دور میں آتش،

> ناسخ، مصحفی نمایاں حیثیت کے حامل شعرا ہیں۔انشا، جرات، رنگین اور ان کے دیگر ساتھیوں نے غزل میں سادگی کے بائے الفاظ کی شعبدہ بازی کو رواج دیااور اس طرح غزل جو ایک داخلی صنف تھی، خارجیت کا شکار ہو گئی۔اس وجہ سے شعر کی ظاہری خوبصورتی اور آرائش پر زیادہ زور دیا جانے لگااور اسی کو کمال شاعری خیال کیا جانے لگا۔"[۱۱]

دلی جب دوبارہ ادب کا گہوارہ بنی تو مرزا غالبؔ، شیخ ابرہیم ذوقؔ اور مومن خان مومنؔ جیسے بڑے شعرانے غزل کو فروغ دیا۔غالبؔ نے اپنے جدت پسند مزاج اور منفرد اندازِ بیان کی وجہ سے اردو غزل کو نئے افق عطا کیے۔اسی ضمن میں ڈاکٹر محمد خاں اور ڈاکٹر اشفاق احمد ورک اپنی کتاب "اصنافِ نظم و نثر" میں رقمطراز ہیں کہ :

> "اس کے بعد مرزا اسد اللہ خان غالب کا زمانہ آتا ہے۔ان کے ساتھ شیخ ابراہیم ذوق، حکیم مومن خان مومن،نواب مصطفٰی خان شیفتہ، بہادر شاہ ظفر،اور قدرے بعد مولانا الطاف حسین حالی،امیر مینائی،اکبر الہ آبادی اور نواب میرزاداغ کا نام لیا جاتا ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس عہد پر غالب کے نام کا پھریرا لہرا رہا ہے۔"[۱۲]

جدید اردو غزل کی ابتدا الطاف حسین حالیؔ سے ہوئی۔حالیؔ نے غزل کو مبالغے سے پاک اور حقیقت کا روپ دیا۔اس کے بعد علامہ اقبال نے اردو غزل میں قابلِ قدر وسعت پیدا کی،انھوں نے غزل کو عہدِ جدید کے فکری اور جمالیاتی تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔اور غزل کو خودی کے حیات آفرین پیغام کا ترجمان بنایا۔اس دور میں اور اس کے بعد کے دور میں نمایاں اور بڑے شعرا، جنہوں نے اردو غزل کو وسعت بخشی اور اس میں گراں قدر اضافہ کیا،ان میں حسرت موہانی، یاسؔ یگانہ چنگیزی، جگرؔ مرادآبادی، فیض احمد فیضؔ،احسانؔ دانش،عابد علی عابدؔ،حفیظؔ جالندھری،عبدالمجید عدمؔ،سیف الدین سیفؔ، ناصرؔ کاظمی،احمد ندیم قاسمی،شکیبؔ جلالی،احمد فرازؔ،صوفی تبسمؔ،فراقؔ گورکھپوری،اور منیرؔ نیازی وغیرہ شامل ہیں۔

عہد موجود تو سیاسی اور صنعتی دور ہے۔اب فرد کے مسائل اور زندگی کی نموا تنی سادہ نہیں رہی۔ اب ظاہر اور باطن دونوں میں پیچیدگیاں اور نفسی گرہیں موجود ہیں۔اب عقائد و نظریات، زندہ رہنے کے مقاصد اور نصب العین اور فکری وذہنی روشیں سمجھانا آسان نہیں رہا۔زندگی برق رفتار اور افراد معاشرہ اپنی اپنی ذات میں تنہا ہوتے جا رہے ہیں۔یہ وقت کا بدلاؤ ہے اور شاعر اپنی حساسیت اور زیر کی کے ساتھ اسی بدلاؤ کا حصہ ہے۔اس کی سوچ اس کی غزل میں ایک نئے لب و لہجے کو متعارف کرواتی ہے۔اس کی لفظیات، لفظوں کی معنوی صورتیں، بیان میں جدتیں، ایک نئے امکان کے ساتھ داخل ہوتی ہیں۔اور غزل نے اس نئے امکان کو خوش آمدید کہا ہے اور زمانے کی روش کے مطابق اس کا اظہار کیا ہے اور اس نئے ذہن نے اس کو قبول بھی کیا ہے۔

غزل صدیوں سے کہی جا رہی ہے۔اس کا حسن اور تاثیر آج تک قائم ہے۔قارئین نے اسے کبھی رد نہیں کیا۔شاعر کا تجربہ جب سماج کا تجربہ بن جائے تو وہ سماج کی ملکیت ہوتا ہے۔ہماری اردو غزل اس اجتماعی طرز احساس کا ہمیشہ ایک بڑا ذریعہ رہی ہے۔ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

> "اردو غزل کا مستقبل شاندار اور روشن ہے۔کیونکہ اس میں بڑی تغیر پذیری اور لچک موجود ہے۔اس سلسلے میں اردو ادب کے ایک نقاد شمیم احمد نے بڑے پتے کی بات کی ہے۔"اگر اردو شاعری کبھی زندہ رہی تو غزل کے ساتھ ہے زندہ رہی گی۔لوگ خواہ مخواہ کتنے ہی دعوے کیوں نہ کریں اور اردو نظم میں چاہے جتنا بڑا ذہن چلا جائے لیکن کوئی آدمی ے تنہائی میں کوئی شعر گنگنائے گا تو وہ غزل ہی کا ہوگا، نظم، کا نہیں۔"(۱۳)

اس سچائی سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ غزل ایک مقبول صنفِ سخن ہے اور ام الصناف کی حیثیت رکھتی ہے۔غزل اُردو شاعری کی عزت ہے۔اگر ولی دکنی سے لے کر عہد حاضر تک غزل کے تمام ارتقائی سفر کا احاطہ کیا جائے تو اس کی آبرو میں کوئی فرق نہیں آیا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ غزل ایک وسیع سمندر کی مانند ہے جس میں زندگی کے تمام موضوعات سما سکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ انور جمال،پروفیسر،"ادبی اصطلاحات"(اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن ۲۰۱۹ء)ص ۱۳۵

۲۔ منصف خان سحاب،"نگارستان"(لاہور: مکتبہ جمال ۲۰۱۷ء)ص ۳۷۲

۳۔ رفیع الدین ہاشمی،ڈاکٹر،"اصنافِ ادب"(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ۲۰۱۸ء)ص ۳۱

۴۔ علی محمد خان،ڈاکٹر،اشفاق احمد ورک،ڈاکٹر،"اصناف نظم ونثر"(لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب ۲۰۱۶ء)ص ۸۱،۸۰

۵۔ منصف خان سحاب،"نگارستان"(لاہور: مکتبہ جمال ۲۰۱۷ء)ص ۳۷۲

۶۔ انور جمال،پروفیسر،"ادبی اصطلاحات"(اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن ۲۰۱۹ء)ص ۱۳۵

۷۔ رفیع الدین ہاشمی،ڈاکٹر،"اصنافِ ادب"(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ۲۰۱۸ء)ص ۳۴

۸۔ علی محمد خان،ڈاکٹر،اشفاق احمد ورک،ڈاکٹر،"اصناف نظم ونثر"(لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب ۲۰۱۲ء)ص ۸۲

۹۔ منصف خان سحاب،"نگارستان"(لاہور: مکتبہ جمال ۲۰۱۷ء)ص ۳۷۳

۱۰۔ علی محمد خان،ڈاکٹر،اشفاق احمد ورک،ڈاکٹر،"اصناف نظم ونثر"(لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب ۲۰۱۲ء)ص ۸۲

۱۱۔ محمد سہیل بھٹی،"اردو جنرل انشائیہ"(لاہور: بھٹی پبلشرز، س۔ن)ص ۲۶۸

۱۲۔ علی محمد خان،ڈاکٹر،اشفاق احمد ورک،ڈاکٹر،"اصناف نظم ونثر"(لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب ۲۰۱۲ء)ص ۸۲

۱۳۔ رفیع الدین ہاشمی،ڈاکٹر،"اصنافِ ادب"(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ۲۰۱۸ء)ص ۳۶

باب سوم

"مجھے تم ہار بیٹھو گے" کا فکری مطالعہ

اُردو ادب میں صنف غزل ہمیشہ باقی اصنافِ ادب کی نسبت ایک وسیع دامن صنف رہی ہے۔ جس میں شعراء نے مختلف موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے۔ غزل کا دامن جہاں مختلف موضوعات کے لیے وسیع رہا وہی فکری و فنی محاسن سے بھی آراستہ رہا۔ جدید اُردو غزل کا ارتقاء اس بات کا ثبوت ہے کہ صنف غزل میں زمانے کی نئی کروٹ کو اپنے خاص لہجے میں بیان کرنے کی بڑی صلاحیت موجود ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جدید اُردو غزل میں ایک صحت مندانہ رجحان پیدا ہو رہا ہے جس میں انسان کی قدر و قیمت کا تعین دولت و اقدار کے بجائے سچے اور کھرے انسان کے حوالے سے کیا جا رہا ہے اور تصور محبوب میں حقیقت پر مجاز بتدریج غالب آرہا ہے۔ جدید اُردو غزل میں موضوعات کے نئے پن اور متفرق رجحان در آنے کے باوجود قدیم روایت سے غزل نے اپنا رشتہ استوار رکھا۔ اور یہی مختلف رجحانات اُردو غزل کے کلاسیکی سرمائے میں اس کی پہچان بن گئے۔

جدید دور میں اُردو غزل کو مقبول و عام بنانے میں ملک کے بیشتر حصوں کی طرح پنجاب کے شعراء کا بھی اس میں اہم کردار ہے۔ جنھوں نے صنف غزل کو ترقی دینے میں بھرپور جدوجہد کی۔ ان میں ایک قابل ذکر نام ایاز محمود ایازؔ کا بھی ہے جنھوں نے غزل کے پر خار راستے پر چلتے ہوئے زندگی اور اس کے اتار چڑھاؤ کو اپنی نظر سے دیکھا اور محسوس کیا۔ ایاز محمود ایازؔ نے غزل میں ذاتی دکھ درد اور غم انگیزی کی کیفیت کو شعر کے قالب میں اس طرح ڈھالا ہے کہ ان کی غزلیات جمالیاتی اظہار کی تصاویر بن گئی ہیں۔ ایازؔ اکیسویں صدی کی ایک اہم اور معتبر غزل گو شاعر ہیں ان کی غزل فکری لحاظ سے کسی بھی طور پر کم نہیں، ہم عصر شعراء کے مقابلے میں ان کا رجحان زیادہ گہرائی و گیرائی کا حامل ٹھہرتا ہے۔

غزل میں فکر اور ندرت کی ہی بدولت بیان کی گنجائش ہوتی ہے انفرادیت کی ترجمانی کے لیے غزل ایک آزمودہ اور بہت کامیاب وسیلہ اظہار ہے۔ یہ اپنا ایک خاص مزاج اور اپنا ایک خاص اثر رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ اُردو اصنافِ سخن میں غزل کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

ایاز محمود ایازؔ کی غزلیہ شاعری ان کی شخصیت کی آئینہ دار ہے جس میں انفرادیت اور زندگی کے تمام نشیب و فراز کسی نہ کسی طرح دیکھائی دیتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں سنجیدگی بھی ہے اور وزن و وقار بھی، ان میں زندگی کے عرفان کو بسر کرنے کا ایک لائحہ عمل اور برتنے کا یک نظام بھی ہے۔ ایازؔ کی غزل

پڑھ کر جو پہلا احساس ہوتا ہے وہ اس کا موضوعاتی پھیلاؤ ہے۔ زیرِ تحقیق مجموعہ "مجھے تم ہار بیٹھو گے" کے حوالے سے ایازؔ کی غزل گوئی کو دیکھا جائے تو انھوں نے اپنی غزلوں میں پرانے موضوعات کے ساتھ ساتھ نئے موضوعات بھی سموئے ہیں۔ روایتی شاعری بھی کی ہے اور جدت پسندی بھی ان کی غزل کا خاصا ہے۔ حسن و عشق، اور محبوب کی سراپا نگاری کے علاوہ عصری مسائل کا بیان، درد و غم، حساسیت، احتساسی اور باغیانہ انداز بیان ان کی غزل کے نمایاں موضوعات ہیں۔ لیکن ان باتوں میں نرمی، جذباتیت اور لذت پرستی نہیں بلکہ واقیعت اور حقیقت کی سطح پائی جاتی ہے۔ زندگی کی بدلتی ہوئی کیفیت، سیاسی و سماجی شعور کے ساتھ ساتھ معاشرتی رجحان بھی ان کی غزلوں میں نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ ایازؔ نے زندگی کے فلسفہ کو غزل میں جابجا اپنا موضوع بنایا ہے۔

عمومی صورت حال میں شعری تجربات اپنی تمام پر موضوعیت کے باوجود ایک سطح پر تعقلی نظام کے تحت ہی تجسیم پاتے ہیں، یوں شعر اور شعور کا ایسا تعلق جنم لیتا ہے جو ادبی روایت کو مضبوط اور مربوط بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ شاعری کی تخلیق کا یہ انداز بلاشبہ اپنی جگہ قابل ذکر ہے اور مروجہ شعری منظر نامے میں قابل فہم بھی۔ ایاز محمود ایازؔ کا شمار بھی انھی تخلیق کاروں میں ہوتا ہے جو شعری جمالیات اور تخلیقی تجربے کے وفور اور صدق کو مقدم خیال کرتے ہیں ان کا شعری مجموعہ "مجھے تم ہار بیٹھو گئے" نہ صرف محبت کے حوالے سے روایتی تعبیر سے مختلف زوایہ نظر پیش کرتا ہے بلکہ دیگر فکری محاسن کی حقیقی غمازی بھی کرتا ہے۔ ذیل میں ایاز محمود ایازؔ کے مجموعہ کلام "مجھے تم ہار بیٹھو گئے" کے فکری محاسن کا ذکر کیا گیا ہے۔

عصری مسائل:

ہر دور معاملات و مسائل سے دوچار رہا ہے لیکن ان کی نوعیت مختلف ادوار میں الگ الگ رہی ہے۔ جس قدر زمانہ آگے بڑھ رہا ہے اسی قدر نئے نئے مسائل بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ عہد حاضر میں مسائل کا سیلاب امنڈ آیا ہے جو انسانوں پر بھوتوں اور چڑیلوں کی طرح حاوی ہو گئے ہیں۔ اس سلسلے میں رشید امجد رقمطراز ہیں:

> "آج کے مسائل ہر گھر، ہر صحن، ہر محبوبہ، اور ہر محبوب کے گرد بھوتوں اور چڑیلوں کی طرح ناچ رہے ہیں۔ محبوب کی مجلس ہو یا عاشق کا گھر ہر جگہ زمانے کی ضرورتیں انسان کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں۔ چمنیوں کا کثیف دھواں شفق کی سرخی کو نگل گیا ہے۔ مل کا ہوٹر محبوب کی مترنم آواز اور گنگناہٹیں کھا گیا ہے اور جذبے موٹی موٹی چار دیواریوں کے نیچے دبے ہوئے سسک رہے ہیں۔ انسانی ضرورتوں کی دلدلوں میں گردن گردن ڈوب چکے ہیں۔"(۱)

عصری مسائل ایک بڑا موضوع ہے جس کا احاطہ اس چھوٹے سے مقالے میں ممکن نہیں۔ البتہ اہم مسائل کی طرف اشارے ضرور کیے جا سکتے ہیں جن سے دورِ حاضر کا انسان جوجھ رہا ہے۔ انسان کو زندہ رہنے کے لیے کھانا، پانی اور ہوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان میں سے کسی ایک کے بغیر اس کی زندگی کا سفر ممکن نہیں۔ عہد حاضر میں بڑھتی ہوئی بے روزگاری نے لوگوں کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ خصوصاً ادنی اور متوسط طبقے کی زندگی اس سے بہت متاثر ہوئی ہے۔ عسرت و تنگی ان طبقوں کے افراد کا مقدر بن گئی ہے۔ وہ اس تنگی کو دور کرنے کے لیے روزی روٹی کی تلاش میں شہر بہ شہر مارے مارے پھر رہے ہیں۔ مگر پھر بھی بہت سے ایسے لوگ ہیں جنھیں اتنی تگ و دو کے بعد بھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہو پا رہا ہے۔ ایاز محمود ایازؔ ان حقائق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

صرف خبریں ہی لگی رہتی ہیں بچے بھوکے
کھانا بھی صبح کے اخبار میں رکھا جائے(۲)

عہد حاضر کی برق رفتاری نے انسان کو اس قدر مصروف کر دیا ہے کہ اس کا رشتہ فرد اور سماج سے کٹتا جا رہا ہے جس کے سبب رفتہ رفتہ وہ تنہا ہوتا جا رہا ہے۔ سائنسی آلات و ذرائع مثلاً موبائل اور انٹرنیٹ کے استعمال نے بھی اسے غیر محسوس طریقے سے سماج سے دور کر دیا ہے۔ اس دوری کے نتیجے میں بھی اسے تنہائی نصیب ہو رہی ہے اور انسانی رشتوں میں دن بہ دن کشیدگی اور بکھراؤ پیدا ہو رہا ہے۔ خلوص و محبت، اخوت و ہمدردی، باہمی میل جول، غمخواری و غم گساری اور جذبہ انسانیت کا فقدان ہو رہا ہے۔ مشترکہ خاندان ٹوٹ رہے ہیں، انسان اجتماعی زندگی کے بجائے انفرادی زندگی کو ترجیح دے رہا ہے۔

چونکہ یہ کیفیت سماج میں ہر سو پیدا ہو گئی ہے، اس لئے نئی غزل میں اس کی بازگشت اکثر شعرا کے یہاں سنائی دیتی ہے۔ ایاز محمود ایازؔ نے ان عصری مسائل کو یوں کشید کیا ہے:

میں ایازؔ ایسے کسی شہر کا باسی ہوں جہاں
لوگ رشتوں سے الگ مال پہ آ بیٹھے ہیں(۳)

اس عہد کا انسان اخلاقی ذمہ داریوں کو تو درکنار اپنے پیشے اور فرائض کے ساتھ بھی انصاف نہیں کر رہا ہے۔ بڑے عہدیداران سے لے کر چھوٹے عہدیداران تک (چند کو چھوڑ کر) بیشتر مادہ پرستی اور مفاد پرستی کی جانب شدت سے مائل ہیں، یہاں تک کہ عدالتوں میں بیٹھنے والے جج جنھیں منصف کا اعلیٰ رتبہ اور عظیم مقام حاصل ہے، وہ بھی اس مہلک مرض میں مبتلا ہیں جس کے باعث انصاف کا معیار گرتا چلا جا رہا ہے۔ آج عدالتوں میں منصف اسی شخص کے موافق اپنا فیصلہ سنا رہا ہے جس سے اس کے ذاتی مفاد وابستہ ہیں۔ ایازؔ اس حقیقت کو یوں پیش کرتے ہیں:

تجربہ شاہد ہے چہروں میں ہیں چہرے بے شمار
ہر منافق نے کہا جانی، تو میرا یار ہے(۴)

انصاف کے گرتے ہوئے معیار کو نئی غزل کے شعراء شدت کے ساتھ محسوس کر رہے ہیں۔ ایازؔ معاشرے میں انصاف کی بالادستی چاہتے ہیں۔ یوں لکھتے ہیں:

بیٹیاں باپ کی وارث تو نہیں ہوتیں پر
ان کو بھی نصف تو حقدار میں رکھا جائے(۵)

مفاد پرستی نے انسان کے اندر منافقت کا رجحان پیدا کر دیا ہے۔ وہ اپنے ذاتی مقاصد کے حصول کے لیے دو چہرگی کا سہارا لے رہا ہے۔ دو چہرگی رفتہ رفتہ کثرت چہرگی میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے۔ موجودہ عہد میں لوگ اسے ایک فیشن کی شکل اختیار کر رہے ہیں۔ ایازؔ نے اس صورت حال کو یوں بیان کیا ہے:

کتنوں سے دوستی میں ہم یوں بھی زرا پرے رہے
چہروں پہ خال و خد نے تھے اندر کے اشتہار تھے(۶)

ایسے میں نیک اور معتبر انسان کی شناخت کر پانا دشوار ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ کسی پر اعتبار کرنے سے قبل اسے ہر طرح سے جانچا اور پرکھا جائے۔ کیوں کہ:

بلا کا حسن ہے مگر نہ جانے یہ کیسا خول ہے
کہ لوگ اپنے ظرف کی عدالتوں سے دور ہیں(۷)

اپنے اپنے مطلب تک ہر رشتہ ہے
یہ جو دنیاداری ہے غداری ہے(۸)

المختصر یہ کہ اس مقالے میں عصر حاضر کے چند مسائل کی طرف اشارے کر دیے گئے ہیں جو اس بات پر شاہد ہیں کہ نئی غزل نے جہاں افراد کے داخلی مسائل کی ترجمانی کی ہے وہیں اس کے خارجی مسائل کو بھی پیش کرنے کے لیے شجر ممنوعہ نہیں سمجھا جن سے اس دور کا انسان ہر صبح و شام نبرآزما ہے، جو داخلی کرب کا بھی ذریعہ ہیں۔ایاز محمود ایازؔ اپنی غزل میں اپنے دور کے معاملات و مسائل کی تصویر کشی میں کامیاب نظر آتے ہے۔

روایتی مضامین:

غزل میں کلاسیکی اقدار آج بھی اپنی اہمیت رکھتی ہیں۔روایتی طور طریقے، لفظیات، اسالیب اور رنگ و آہنگ کی حیثیت بھی اپنی جگہ مسلم ہے۔بعض شعراء نے ان سے اخذ و اکتساب کیا، بعض نے ان کو رد کیا۔ کچھ نے اپنی الگ راہ نکالی اور کچھ نے انہی کی راہ پر چلنا مفید سمجھا اور ان کی پیروی کی۔اردو ادب کے بڑے اور معتبر نقاد پروفیسر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

> "روایتی غزل میں تو سب خیریت ہی خیریت ہے اس انبوہ میں تو جو چاہے بے کد و کاوش شریک ہو سکتا ہے لیکن نئی غزل میں بار پانا اور اپنی آواز الگ سے پہچانا جانا اتنا ہی مشکل ہے"۔(۹)

گوپی چند نارنگ ایک مستند اور مانے ہوئے نقاد ہیں ان کا ہر جملہ ایک قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔اگر ان کے اس اقتباس کی روشنی میں ایازؔ کی روایتی شاعری اور موجودہ شعراء میں ان کا مقام دیکھا جائے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے روایتی شاعری کو برتتے ہوئے جدید شعراء میں اپنا ایک مقام بنایا ہے۔روایتی شاعری کے حوالے سے ایازؔ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

مجھ سے منسوب ہیں ایسے تیرے سارے دکھ
شام ہوتے ہی میرے شال پہ آ بیٹھتے ہیں(۱۰)

جو ہے پھولوں کو کتابوں میں سجانے والا
شخص خود آپ سے ہارا بھی تو ہو سکتا ہے(۱۱)

تو نہیں تھا تو ہر اذیت سے
کس قدر سامنا رہا ہے مجھے(۱۲)

مندرجہ بالا اشعار غزل کی روایت کے امین ہیں۔اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ ایاز محمود ایازؔ کی شاعری اُردو غزل میں ایک نیا اضافہ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے اُردو غزل کے چیدہ چیدہ روایتی موضوعات کو بھی نئے لہجے اور نئے اسلوب میں ڈھالا ہے۔لہذا ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ ایاز محمود ایازؔ نے اپنی غزل کو ہر رخ سے اور غزل کی روایت سے ہم آہنگ کرر کھا ہے۔اور جدید و قدیم غزل کے سنگم پر کھڑے نظر آتے ہیں۔اسی حوالے سے ان کے مجموعہ کلام "مجھے تم ہار بیٹھو گئے" سے روایتی شاعری کی مزید مثالیں ملاحظہ ہوں:

ہم ہی تھے خوش نصیب کچھ نذرِ نگاہ یار تھے
ورنہ تو اس مقام کے اور بھی دعویدار تھے(۱۳)

کسی کے دستِ محبت نے سنگ بازی کی
ملا وہ لطف کہ ہم زخمِ سر کو بھول گئے(۱۴)

تیرے ملنے کے واسطے ایازؔ
ہاتھ سب سے ملانے پڑتے ہیں(۱۵)

مندرجہ بالا اشعار میں روایتی مضامین اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ موجود ہیں۔

جدت پسندی:

ایاز محمود ایازؔ ذہنی اور طبعی اعتبار سے انفرادیت پسند ت ہیں۔ کسی کی تقلید کرنا پسند نہیں کرتے۔ وہ وبائے عام میں بھی مرنا نہیں چاہتے۔ غالب کی یہی جدتِ ادا ان کی شاعری میں نئے نئے گل کھلاتی ہے۔ جدید شعراء میں تقریباً زیادہ تر شعراء کا طریقہ شعر گوئی یہ ہے کہ وہ قدیم خیالات میں کچھ ترمیم کر کے پیش کر دیتے ہیں۔ لیکن ایازؔ کے ہاں ایسا نہیں اُن کی جدتِ طبع اور انفرادیت پسندی ہمیشہ نئے نئے خیال ڈھونڈنے پر مجبور کرتی رہی۔ چنانچہ اُن کی شاعری میں ہمیں رنگارنگی اور بوقلمونی محسوس ہوتی ہے۔ اگر کبھی ایازؔ نے کسی قدیم خیال کو ادا بھی کیا ہے تو اس انداز میں کہ شانِ استادی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

کھٹکھٹانے کے لیے شہر کی اونچی بلڈنگ
کچھ پرندے ہیں جو گھڑیال پہ آ بیٹھتے ہیں(١٦)

ہوا، اب ریت سے کیا دشمنی ہے
کسی کا نام بھی لکھا نہیں ہے(١٧)

محبت کو انا ڈستی رہی ہے
ہتھیلی کو حنا ڈستی رہی ہے(١٨)

مندرجہ بالا اشعار میں جدت کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ ایازؔ نہ صرف روزمرہ سے ہٹ کر ایک نئی بات کرتے ہیں بلکہ ان کا اسلوب بھی بالکل نیا اور نرالہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایازؔ اپنی شاعری کی رنگارنگی کی بناء پر اُردو غزل کی روایت کو برقرار رکھتے ہیں۔ کہیں روایتی مضامین ہیں تو کہیں بغاوت کا رنگ اور کہیں وہ اپنی جدت پسندی سے اُردو غزل کا دامن وسیع کرتے ہیں۔ جدت کے حامل مزید اشعار ملاحظہ ہوں:

میں اس کی یاد کے موسم میں چن دیا جاؤں
کچھ اس طرح سے وصیت میں اس نے لکھا تھا(١٩)

اب کسی معرکے میں صرف نہ دستار گرے
سر ضروری ہے کہ دستار میں رکھا جائے(٢٠)

عشق و محبت کا بیان:

ایازؔ کی شاعری کے سارے رنگوں میں محبت ایک نمایاں رنگ ہے اسی کا سہارا لے کر انھوں نے اپنی شاعری میں رنگ بھرے ہیں۔ ایازؔ نے زیادہ تر سراپہ محبوب کی توصیف نہیں کی بلکہ اس کی ہستی کو سراہاہے۔ ایازؔ نے عروس غزل کو جہاں جلوہ حسن سے منور کیا وہاں اس میں سوز و گداز اور غم والم کی ہلکی لہریں بھی موجود ہیں۔ کبھی ان کا عشق لہو کی دھیمی دھیمی آگ سے سلگتا دکھائی دیتا ہے تو کہیں جنوں بن کر جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتا ہے۔ اور آخر اس میں ایک شخص کی رعنائی محبت آ جاتی ہے۔ انھوں نے داغ کی طرح ہر چمکتے چہرے سے محبت نہیں کی اور نہ ہی ولی دکنی کی طرح ہر حسن کا پروانہ بن کر جینا پسند کیا ہے بلکہ محسن نقوی کی طرح محبت میں یکتائی کو پسند کیا ہے۔ ایاز محمود ایازؔ کے شعری مجموعے "مجھے تم ہار بیٹھو گے" میں عشق و محبت کے حوالے سے کئی با معنی اور فکر انگیز اشعار ملتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

محبت بے تقاضا راستوں پر چل رہی ہے
بدن میں یاد کی چنگاریاں بڑھنے لگی ہیں(٢١)

یہ تگ و دو، اضطراب و بے کلی اور بے دلی
گر نہیں ہے تو، تو ساری زندگی بیکار ہے(٢٢)

اپنے اسلوب پہ رہتا ہے تیرے پیار کا رنگ
تو ہی وجدان پہ طاری ہے ہمی جانتے ہیں(٢٣)

ایازؔ نے محبت کی آفاقی سچائی کا بیان کیا ہے کہ ہر دور اور ہر زمانے میں، زمانہ محبت کا دشمن رہا ہے کبھی قیس کو پتھروں سے مارا گیا تو کبھی محبت کرنے والوں کو زندہ دیوار میں چنوایا گیا تو کبھی دریا کی موجوں

کی نذر کیا گیا۔ محبت میں تو ہر طرح کی قربانی دینا پڑتی ہے اور ہر درد و تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایازؔ بھی اس شعر میں محبت کی اسی سچائی کے بارے میں خوبصورت اسلوب کے ساتھ گویا ہوئے ہیں:

عشق ایسا جنوں ہے جس میں
اپنے گھر بھی جلانے پڑتے ہیں[۲۴]

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ ایازؔ محبتوں کے شاعر ہیں۔ وہ عاشق ہیں اور عشق کے رموز و اسرار سے بخوبی واقف ہیں اس لیے ان کے عشق کا موضوع آفاقی ہے۔

درد و غم کا بیان:

درد و غم شاعری کا ایک خاص عنصر ہے جو شاعری کو پر لطف اور قاری کی توجہ کا مرکز بناتا ہے چونکہ غم و خوشی کا زندگی کے ساتھ ایک گہرا ربط ہے۔ اس لیے غم زندگی میں ایک مستقل وجود کی حیثیت سے قائم ہے۔ جس کے مقابلے میں زندگی کی خوشی کی کوئی وقعت نہیں ہوتی اور غم کے مقابلے میں خوشی بہت عارضی ہوتی ہے۔ اُردو شاعری کا اگر ہم مطالعہ کریں تو اُردو شاعری میں غمِ دوراں، غمِ جاناں، غمِ عشق اور غم روزگار جیسی بہت سی تراکیبیں کثرت سے استعمال کی گئی ہیں۔ ایازؔ کے ہاں بھی ان کا استعمال پوری آب و تاب کے ساتھ ملتا ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

اب غمِ روزگار ہے ایازؔ
اب محبت کے وہ عذاب کہاں[۲۵]

درد اتنا ہے کہ پلکوں پہ جمے ہیں آنسو
ڈھل گئی رات مگر ساتھ چلے ہیں آنسو[۲۶]

کس قدر زعم پر بھاری ہے ہمی جانتے ہیں
ہم نے یہ زیست گزاری ہمی جانتے ہیں[۲۷]

شاعری کا یہ حصہ ایک کڑوا سچ اور ایک تکلیف دہ بیانیہ ہوتا ہے جسے شاعر نے اپنی ذات اور اپنے پیارے ملک و ملت جیسے موضوعات کے بندھن میں باندھا ہوتا ہے۔ اسی طرح ایاز محمود ایاز ؔ کی شاعری بھی درد و غم کا حسین امتزاج ہے۔ اس حوالے سے ایاز ؔ کے شعری مجموعہ "مجھے تم ہار بیٹھو گے" سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

دشت میں آنکھ بھگونے سے پتا چلتا ہے
درد ہر چیز سے بھارا بھی تو ہو سکتا ہے[۲۸]

درد رستا ہے مری سوچ کی ہر اک رگ سے
پھنکیاں دے کے سلا مجھ کو اکھٹا کر دے[۲۹]

اپنی تقدیر میں اندھیرے ہیں
اپنے حصے میں ماہتاب کہاں[۳۰]

درج بالا اشعار میں اُردو غزل کی روایت کو بر قرار رکھتے ہوئے شاعر ایاز محمود ایاز ؔ نے درد و غم کے ان جذبات کو شعری قالب میں ڈھالا ہے، جو درد و کرب کی عمدہ مثال ہے۔ درد کا بیان ہر انسان اپنے چاہنے والوں سے اور کبھی کبھی اپنے آپ سے کرتا رہتا ہے لیکن جب یہی درد ایک شاعر بیان کرتا ہے تو اس میں ادبی چاشنی شامل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایاز ؔ کے ہاں درد و غم کے حوالے سے مزید اشعار ملاحظہ ہوں:

جب کبھی دل کا دیپ بجھ جائے
اپنے ارمان جلانے پڑتے ہیں[۳۱]

تم نے دیکھا ہے فقط آنکھ کو ہنستے لیکن
دل میں کیا کار گزاری ہے ہمی جانتے ہیں[۳۲]

مندرجہ بالا اشعار میں بھی دلی اور ذہنی کرب کا اظہار ملتا ہے۔ شاعر ایک حساس دل انسان ہوتا ہے۔ وہ عام انسانوں سے کہیں زیادہ محسوس کرتا ہے اور پھر عام انسانوں سے کئی بہتر انداز میں اپنی تکلیف اور درد کو بیان کرتا ہے۔ یہی انداز ایاز محمود ایازؔ کے ہاں بھی پایا جاتا ہے۔ ان کا اسلوب درد سے اس طرح ہم آہنگ ہے جیسے کسی خاص فن میں یکتا کوئی فن کار ہو۔

حساسیت:

ایاز محمود ایازؔ کا شمار جدیدت کے اہم شعراء میں کیا جاتا ہے۔ ایازؔ محسوسات کے شاعر ہیں اور یہ حسیات ان کے انوار ہی سے جنم لیتی ہے اور باہر آ کر دائرہ در دائرہ پھیل جاتی ہیں۔ یہ بہت ہی نازک ہیں۔ انہیں ذرا سی خراش لگتی ہے تو اچھل پڑتی ہیں اور شاعر کے باطن میں کہرام مچاتی ہیں اور شعری صورت میں منقلب ہونے کے لیے بے تاب ہوتی ہیں۔ ان حسیات کو ایازؔ کی صورت میں ایک ایسا شاعر میسر آیا ہے۔ جس کے پاس ایک قالب، قلب کی صورت میں موجود ہے۔ جو ان کا مکمل سانچہ ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

ایسی چڑیاں کہاں بسیں جن کا
شاخ سے گھر اتار دے کوئی[۳۳]

فقط اپنے مشاغل میں یونہی ایازؔ کوئی جب
پرندے مارے ڈالے تو بڑا افسوس ہوتا ہے[۳۴]

بانٹتی ہیں اداس لوگوں میں
مجھ کو خوشیاں ادھار دے کوئی[۳۵]

تصورِ محبوب:

شاعری میں انسانی جذبات، احساسات، زندگی کے تجربات و مشاہدات کے بے شمار رنگ ملتے ہیں۔ شاعری میں موضوعات کی کوئی قید نہیں لیکن شاعری کا سب سے اہم موضوع محبت ہی رہا ہے اور

شاعر کا محبوب اس محبت کا مرکز رہا ہے۔اُردو شاعری میں محبوب کا ذکر بہت خاص انداز میں کیا جاتا رہا ہے۔ کہیں محبوب حسن و ناز کا مرقع نظر آتا ہے تو کہیں اداؤں اور نزاکت سے بھر پور دکھائی دیتا ہے۔ کہیں ظالم اور بے رحم ہے اور وفا سے بھی عاری ہے محبوب کی یہ تمام صورتیں اردو شاعری کا حصہ رہی ہیں۔ایازؔ کے ہاں تصور محبوب کا موضوع ایک انوکھا موضوع ہے۔ یہ سچ ہے کہ محبت کرنا کسی کو چاہنا اور چاہے جانا ایک مشترکہ انسانی جذبہ ہے جو ہر انسان کے ہاں موجود رہتا ہے۔ اردو غزل میں محبوب کا جو روایتی تصور چلا آرہا ہے ابتدا میں تو وہی تصور تھا خیالی محبوب جو بے حد خوبصورت ہے جتنا خوبصورت ہے اس سے زیادہ سنگ دل ہے پھر اس سے کبھی کبھی لگاؤ بھی سرزد ہو جاتا ہے۔ متعدد دوسرے محبوب کرداروں کے باوجود پہلے کردار کی اہمیت ہمیشہ قائم رہی۔ایازؔ کا یہ کمال ہے کہ انھوں نے اُردو غزل کی قدیم اور جدید روایت کو برقرار رکھا اور ہر موضوع کو دونوں رنگوں سے نوازا۔ان کے ہاں تصور محبوب کے بڑے خوبصورت اشعار ملتے ہیں۔ملاحظہ ہوں:

بس اتنا یاد رہا کہ اس نے ہم کو دیکھا تھا
نظر تھی ایسی کہ طرزِ نظر کو بھول گئے[۳۶]

سنا ہے ہاتھ پر آنکھیں تھیں اس کی
ہمارا تذکرہ جب ہو رہا تھا[۳۷]

ایازؔ کے ہاں شاعری کا خمیر عشق مجازی سے اٹھا ہے۔جو ایازؔ کے ہاں ایک قوت کے طور پر نظر آتا ہے عشق کے اسی جذبے سے ایازؔ نے ایک ایسا خواب بنا جو انسانی زندگی کے حق میں بہتری کا سامان فراہم کرتا ہے۔ایازؔ کے ہاں عشق اس جذبے کا نام ہے جس کی بدولت دنیا کی کسی بھی جنگ کو جیتا جا سکتا ہے۔ ایازؔ یہ سمجھتے ہیں کہ عشق مجازی کے جذبے کی شدت ہی سے دیگر امور حیات کی کونپلیں پھوٹتی ہیں اس لیے جس شخص کا محبوب نہیں ہوتا وہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ایازؔ کا محبوب خیالی دنیا کا محبوب نہیں جو تصوراتی دنیا کو آباد رکھے اور خواب و خیال میں ہی صرف نظر آئے بلکہ ایازؔ کا محبوب اسی جیتی دنیا کا ساکن ہے، جس میں ہم آپ سب رہتے ہیں۔ایازؔ کے محبوب کو صرف محسوس ہی نہیں بلکہ دیکھا سنا اور چھوا جا سکتا ہے۔

دیگر شعراء کی طرح ایازؔ نے بھی اپنے محبوب کے حسن و جمال کی تعریف کی ہے اور تعریف ایسی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایازؔ کا محبوب خیالی نہیں ہے۔ وہ اپنے محبوب کو یوں بیان کرتے ہیں:

آنکھوں میں ہے کاجل کے گھٹاؤں کی جوانی
ہاتھوں کی لکیروں میں حنا بول رہی ہے(۳۸)

آنکھوں میں پھیلی زندگی اچھی لگی مجھے
گالوں سے لپٹی تازگی اچھی لگی مجھے(۳۹)

تیری آنکھوں کے چاند کو چھو کر
تیرے رخ پہ نقاب مہکے گا(۴۰)

ایازؔ کی غزلیہ شاعری کو اگر دیکھا جائے تو ایک بے باک عاشق کی شکل ابھرتی ہے جو دنیا کے غم کو اپنے قلب میں بھرنا چاہتے ہیں اور اس کے بدلے محبت واپس کرنا چاہتے ہیں۔ ایازؔ کی محبت کے درس میں بے باکی کے ساتھ ساتھ صداقت ہونے کی وجہ سے ایازؔ کے اشعار لوگوں کے ذہن میں گھر بنالیا کرتے ہیں۔

باغیانہ انداز بیان:

ہر دور میں نئے انداز نئے خیالات اور نئے اسلوب رکھنے والے شعراء ملتے ہیں۔ بغاوت ہر شعبے کی ضرورت ہے۔ شعر و ادب میں بھی بغاوت اتنی ہی ضروری ہے جتنی کے دیگر شعبوں میں۔ جب ایک نظام تحریک اور روایت فرسودہ ہو جائے تو پھر اس کو جدت بخشنے یا نیا راستہ اختیار کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات زمانے کے ظلم و ستم کے خلاف منافقانہ رویہ رکھنے کے بجائے اس کو للکارنا بھی ناگزیر ہو جاتا ہے جس کے لیے کئی جی دار لوگ اپنی بلی پیش کرتے ہیں اور ان جی دار لوگوں میں شاعر ہمیشہ سرِ فہرست نظر آتا ہے۔ ایاز محمود ایازؔ نے بھی اس روایت کو برقرار رکھتے ہوئے معاشرے کی ناانصافیوں اور انسانوں کے شدت پسند رویوں کے خلاف بھرپور آواز اٹھائی ہے۔ اس حوالے سے ان کے اشعار ملاحظہ ہوں:

سچی بات لکھ ڈالو
تم ایازؔ شاعر ہو(۴۱)

درندے شہر میں بسنے لگے ہیں
لہو اتنا بھی اب مہنگا نہیں ہے(۴۲)

سچ کی باتوں پہ کٹ تو سکتی ہے
پر کہاں یہ زبان ڈولتی ہے(۴۳)

حاکمِ وقت غریبوں کا لہو پیتا ہے
اُس کو زندان میں لانے کا طریقہ کیا ہے(۴۴)

مندرجہ بالا تمام اشعار میں وہ تمام تراکیب اور خیالات ملتے ہیں جو اُردو کی باغیانہ شاعری کی مکمل روایت ہیں۔ جیسے وطن کی محبت میں جذباتی کیفیت، محبوب کی محبت میں امن پسند ہونا، ظلم کے خلاف آواز اٹھانا یا دشمن کے خلاف اپنی طاقت ہونے کا احساس دلانا وغیرہ۔ ایازؔ کا یہ کمال ہے کہ انھوں نے تمام تر خیالات کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ رشید امجد، "غزل کے نئے افق" (لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، ۱۹۸۵ء) ص۴۱۹

۲۔ ایاز محمود ایازؔ، "مجھے تم ہار بیٹھو گے" (لاہور: حاجی حنیف پریس، ۲۰۱۹ء) ص، ۳۵

۳۔ ایضاً، ص، ۲۸

۴۔ ایضاً، ص، ۶۱

۵۔ ایضاً، ص، ۳۵

۶۔ ایضاً، ص، ۳۹

۷۔ ایضاً، ص، ۳۹

۸۔ ایضاً، ص، ۶۵

۹۔ گوپی چند نارنگ، "اردو غزل اور ہندوستانی ذہن و تہذیب" (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو، ۲۰۰۲ء) ص۶۷

۱۰۔ ایاز محمود ایازؔ، "مجھے تم ہار بیٹھو گے" (لاہور: حاجی حنیف پریس، ۲۰۱۹ء) ص، ۲۷

۱۱۔ ایضاً، ص، ۲۹

۱۲۔ ایضاً، ص، ۳۱

۱۳۔ ایضاً، ص، ۳۸

۱۴۔ ایضاً، ص، ۵۳

۱۵۔ ایضاً، ص، ۷۶

۱۶۔ ایضاً، ص، ۲۸

۱۷۔ ایضاً،ص،۱۰۴

۱۸۔ ایضاً،ص،۱۰۸

۱۹۔ ایضاً،ص،۱۲۴

۲۰۔ ایضاً،ص،۳۵

۲۱۔ ایضاً،ص،۱۴۴

۲۲۔ ایضاً،ص،۶۰

۲۳۔ ایضاً،ص،۶۴

۲۴۔ ایضاً،ص،۷۵

۲۵۔ ایضاً،ص،۹۹

۲۶۔ ایضاً،ص،۱۳۲

۲۷۔ ایضاً،ص،۶۴

۲۸۔ ایضاً،ص،۲۹

۲۹۔ ایضاً،ص،۱۵۴

۳۰۔ ایضاً،ص،۹۹

۳۱۔ ایضاً،ص،۷۵

۳۲۔ ایضاً،ص،۶۴

۳۳۔ ایضاً،ص،۸۱

۳۴۔ ایضاً،ص،۷۸

۳۵۔ ایضاً،ص،۸۱

۳۶۔ ایضاً،ص،۵۲

۳۷۔ ایضاً، ص،۱۷

۳۸۔ ایضاً، ص،۱۵۲

۳۹۔ ایضاً، ص،۱۱۸

۴۰۔ ایضاً، ص،۱۲۷

۴۱۔ ایضاً، ص،۸۳

۴۲۔ ایضاً، ص،۱۰۴

۴۳۔ ایضاً، ص،۱۲۶

۴۴۔ ایضاً، ص،۱۲۱

باب چہارم

"مجھے تم ہار بیٹھو گے" کا فنی مطالعہ

انسان اور حیوان میں بنیادی امتیاز شعور اور قوتِ گویائی کا ہے۔ان خداد صلاحیتوں کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات کے درجے پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ کائنات کے ان اسرورموز سے بھی واقف ہوا جو اس کو ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جا سکتے ہیں۔کائنات و حیات کے پوشیدہ عوامل کی آگہی کا نام علم ہے۔ انسان اپنے جذبات و احساسات اور خیالات کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتا ہے۔ادب میں وہ اظہار کے لیے نثر اور نظم (شاعری) کو بروئے کار لاتا ہے۔ لفظی اظہار کی مختلف صورتوں، سطحوں اور جہتوں میں فطری جذبات،احساسات اور خیالات کا اظہار شعر و شاعری کو گردانا جاتا ہے۔ بہترین الفاظ کی بہترین ترتیب کا نام شاعری ہے۔جب ایک شاعر ان بہترین الفاظ کو بہترین ترتیب کے ساتھ اپنے کلام میں استعمال کرتا ہے تو قاری اور سامع کو اپنے کلام کا گرویدہ بنا لیتا ہے۔شاعری چونکہ موزوں الفاظ اور اس کی موزوں ترتیب سے وجود پاتی ہے اس لیے ناقدینِ فن دو حوالوں سے اسے ادبی معیاروں پر پرکھتے ہیں،ایک فکر اور دوسرا فن۔فکر میں ناقدینِ ادب اس بات کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں کہ شاعر یا ادیب نے اپنی بات کیوں اور کس تناظر میں کی اور اس کے پیچھے کون کون سے عوامل کارفرما تھے۔اس کے برعکس فن میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ شاعر یا ادیب نے اپنے بات کو قاری یا سامع تک پہنچانے کے لیے کون کون سے محاسن استعمال کیے ہیں۔ایاز محمود ایازؔ کی غزل گوئی کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایازؔ کا کلام نہ صرف فکری حوالے بلند مقام رکھتا ہے بلکہ فنی حوالوں سے بھی معیار و اعتبار اور اہمیت کا حامل ہے۔

فن سے مراد تخلیق کار کا اپنی تخلیق کو دوسروں کے سامنے پیش کرنے کا انداز ہے۔جس میں وہ حسنِ بیان کی خوبیوں کو استعمال کر کے اپنی تخلیق کو زیادہ سے زیادہ مؤثر بناتا ہے۔فصاحت و بلاغت، تشبیہات،استعارات ، اشارات، کنایات، محاکات،صنائع بدائع اور دیگر فنی محاسن کے استعمال سے فن کار اپنی تخلیق کو سجاتا سنوارتا ہے۔کسی بھی تخلیق میں فن کا اندازہ اس تخلیق کی اثر انگیزی سے لگایا جا سکتا ہے۔

ایاز محمود ایازؔ جدید لب و لہجہ کے شاعر ہیں۔ان کی شاعری میں سنجیدگی، معصومیت، بے ساختگی اور ہر قسم کے تصنعات سے ماورا ایک فطری کشش ہے۔ایازؔ کے ہاں لفظوں کی ترتیب، مصرعوں کی

ساخت اور لفظوں کی نشست و برخاست عمدہ ہے۔ایازؔ نے اپنی شاعری میں حسنِ بیان کی خوبیوں کا استعمال بڑے خوبصورت انداز میں کیا ہے۔ خوب صورت الفاظ کا چناؤ، نادر اور موثر تشبیہات و استعارات، محاورات اور صنائع بدائع کا موزوں اور خوبصورت استعمال ان کے کلام کا عمدہ وصف ہے۔ایاز محمود ایازؔ نے اسلوب میں سادگی کو اپنا شعار بنایا۔ ان کے ہاں غزل گوئی اپنے فطری انداز سے سامنے آئی ہے۔ایازؔ نے شاعری کے مخصوص غزلیہ انداز میں رہ کر بعض جدتیں بھی کی ہیں جس سے غزل کے صوتی حسن اور موسیقیت میں گراں قدر اضافہ ہوا ہے۔ تکرار الفاظ سے ان کے ہاں ترنم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ایازؔ کے کلام میں ایک طرف فصاحت کی آن بان ہے تو دوسری طرف بلاغت کی شان ہے۔ کم سے کم الفاظ میں بڑی سی بڑی اور عمدہ سے عمدہ بات کرنا ان کا کمالِ فن ہے۔

ذیل میں زیرِ تحقیق شعری مجموعہ "مجھے تم ہار بیٹھو گے" کے حوالے سے ایازؔ کے فنِ غزل گوئی کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں ایاز محمود ایازؔ نے اپنی فنی مہارتوں کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے علم بیان، علمِ بدیع اور دیگر فنی محاسن کا استعمال انتہائی موزوں اور برمحل کیا ہے۔

علمِ بیان:

علمِ بیان ایسے قاعدوں اور ضابطوں کے مجموعے کا نام ہے جن کے ذریعے ہم ایک ہی بات کو معنی کے لحاظ سے مختلف طریقوں سے اس طرح ادا کرتے ہیں کہ بیان مؤثر اور دلنشین ہونے کے ساتھ ساتھ ہر طریقہ دوسرے طریقوں سے زیادہ واضح اور مؤثر ہوتا ہے۔بقول عابد علی عابد:

> "یہ وہ علم ہے جس کے ذریعے شاعر، ادیب، انشاپرداز اور نقاد اظہارِ مطلب کے لیے موزوں ترین الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں"۔ (۱)

پروفیسر ڈاکٹر فاروق چوہدری اپنی کتاب "اُردو اموز" میں علم بیان کی وضاحت کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

> "علم بیان سے مراد وہ قواعد ہیں جن کی مدد سے ہم اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لیے لفظ کے معنی کو کئی مختلف عبارتوں میں مختلف طریقوں سے ادا کر سکتے ہیں تاکہ اسلوب میں زور اور وزن پیدا ہو"۔ (۲)

منصف خان سحاب علمِ بیان کی تعریف کرتے ہوئے اپنی کتاب "نگارستان" میں لکھتے ہیں:

> "علمِ بیان ان قاعدوں اور ضابطوں کا نام ہے جن کے ذریعے ایک بات کو معنی کے لحاظ سے مختلف طریقوں سے ادا کیا جا سکے اور اس سے بیان مؤثر اور دلنشیں ہو اور اسلوب میں ندرت پیدا ہو۔ علم بیان میں چار چیزوں سے بحث کی جاتی ہے۔
>
> ا۔ تشبیہ ۲۔ استعارہ ۳۔ مجازِ مرسل ۴۔ کنایہ"(۳)

علمِ بیان کا تعلق الفاظ کے حقیقی معنوں سے نہیں ہوتا بلکہ مجازی معنوں سے ہوتا ہے لیکن حقیقی اور مجازی معنوں میں کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہوتا ہے علمِ بیان کے ذریعے شاعر اور ادیب زندگی کے مختلف موضوعات سجاتے اور سنوارتے ہیں۔ ایاز محمود ایازؔ کی شاعری میں بھی علمِ بیان کی مختلف صورتیں فنی چابکدستی کے ساتھ کارفرما ہیں۔

تشبیہ:

تشبیہ علمِ بیان کا ایک اہم رکن ہے کلام کو مؤثر اور دلنشیں انداز میں پیش کرنے کے لیے تشبیہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ تشبیہ کے لغوی معنی مشابہت دینا یا تمثیل کے ہیں۔ علمِ بیان کی اصطلاح میں جب کسی چیز کو کسی مشترکہ صفت کی وجہ سے دوسری چیز کی مانند قرار دیا جائے تو اسے تشبیہ کہا جاتا ہے۔ منصف خان سحاب "نگارستان" میں تشبیہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "علمِ بیان کی روح سے جب ایک چیز کو کسی مشترک خصوصیات کی بنا پر دوسری چیز کی مانند قرار دیا جائے جب کہ وہ دوسری چیز میں زیادہ پائی جاتی ہو تو اسے تشبیہ کہتے ہیں۔ مثلاً چشمے کا پانی برف کی طرح ٹھنڈا ہے۔"(۴)

تشبیہ سے مراد یہ ہے کہ جب کسی ایک چیز کو کسی صفت (خوبی یا خامی) کی بنیاد پر دوسری چیز کی مانند قرار دیا جائے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ دونوں چیزوں میں وہ صفت یا خوبی پائی جاتی ہو جس کی وجہ سے تشبیہ دی جا رہی ہے۔ یعنی دونوں چیزوں میں تشبیہ دینے کی وجہ بننے والی صفت کا مشترکہ طور پر پایا جانا ضروری ہے۔

تشبیہ کی تعریف کرتے ہوئے پروفیسر انور جمال اپنی کتاب "ادبی اصطلاحات" میں رقمطراز ہیں:

"تشبیہ میں ایک چیز کو ایک یا ایک سے زیادہ مشترک خصوصیات کی بنا پر دوسری کی مانند قرار دیا جاتا ہے اور اس طرح پہلی چیز کی اہمیت یا شدت کو واضح کیا جاتا ہے"۔(۵)

ایاز محمود ایازؔ کے کلام میں تشبیہات محض الفاظ کی حد تک محدود نہیں بلکہ جذبات کے اظہار کا ذریعہ اور عصری حالات کی عکاسی کرتے ہیں۔ ایاز محمود ایازؔ نے نادر تشبیہات کی مدد سے اپنے کلام کو نئے نئے معانی و مفاہیم سے ہمکنار کیا ہے۔ ان کی تشبیہات میں جدت ہے۔ انھوں نے اپنے کلام میں تشبیہات کا استعمال بڑی عمدگی سے کیا ہے۔ شعر ملاحظہ ہو:

ہم پرندے جو کسی ڈال پہ آ بیٹھتے ہیں
کتنے کم ظرف وہاں جال پہ آ بیٹھتے ہیں(۶)

مندرجہ بالا شعر میں تشبیہ کا استعمال بڑے خوبصورت انداز میں ہوا ہے۔ اس شعر میں شاعر نے خود (انسان) کو پرندے سے تشبیہ دی ہے۔ لفظ "ہم (انسان)" مشبہ اور "پرندے" مشبہ بہ ہے۔ جب کہ اس میں حرفِ تشبیہ استعمال نہیں ہوا کیونکہ یہ تشبیہ موکد ہے۔ ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

اب بھی آتی ہے تری یاد کہ جیسے شب کو
کہیں جگنو کسی رومال پہ آ بیٹھتے ہیں(۷)

مندرجہ بالا شعر میں شاعر نے محبوب کی یاد کو جگنو سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح جگنو عارضی طور پر تاریک ماحول کو جگمگا دیتے ہیں اسی طرح تیری (محبوب) کی یاد میرے خانہ دل کو روشن کر دیتی ہے۔ اس شعر میں "محبوب کی یاد" مشبہ اور "جگنو" مشبہ بہ ہے۔

جیسے مٹھی سے ریت گرتی ہے
وقت یوں توڑتا رہا مجھے(۸)

مندرجہ بالا شعر میں ایازؔ نے خوبصورت تشبیہ کا استعمال کیا ہے کہ جس طرح مٹھی میں موجود ریت از خود مٹھی سے گر جاتی ہے اور کوشش کے باوجود مٹھی میں ٹِک نہیں سکتی، میری (انسانی) عمر کو بھی

وقت ریزہ ریزہ کر رہا ہے اور میں اسے دوام بخشنے سے قاصر ہوں۔اس شعر میں "میں" مشبہ "، مٹھی کی ریت" مشبہ بہ اور "جیسے "حرفِ تشبیہ ہے۔

لفظ تیروں کی طرح چھید کیا کرتے ہیں
یعنی ہر لفظ کو معیار میں رکھا جائے(۹)

مندرجہ بالا شعر میں شاعر نے الفاظ کو تیروں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ الفاظ بعض اوقات تیروں کی طرح تیکھے اور نوکیلے ہو سکتے ہیں اور سامعین کے سینے کو تیروں کی طرح چھلنی کر سکتے ہیں۔اس شعر میں "لفظ" مشبہ، "تیر "مشبہ بہ اور "کی طرح "حرفِ تشبیہ ہے۔

ایاز محمود ایازؔ نے تشبیہ کے استعمال سے بیان میں ندرت اور خوبصورتی پیدا کی ہے۔انھوں نے نئ نادر اور خوبصورت تشبیہات استعمال کی ہیں۔اور کلام میں اس فن کا استعمال بڑی عمدگی سے کیا ہے۔ مذکورہ بالا اشعار ایازؔ کی فنی چابکدستی کا بہترین نمونہ ہیں۔

استعارہ:

استعارہ کے لغوی معنی ادھار لینے کے ہیں۔ علمِ بیان کی اصطلاح میں استعارہ اُس لفظ کو کہتے ہیں جو حقیقی معنوں کی بجائے غیر حقیقی یا مجازی معنوں میں استعمال ہو اور حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق پایا جائے ،یعنی لفظ کے حقیقی معانی کا لباس ادھار لے کر مجازی معنی کو پہنچانے کا نام استعارہ ہے۔استعارہ کی بنیاد اگرچہ تشبیہ پر ہے مگر فرق یہ ہے کہ تشبیہ میں ایک چیز کو دوسری چیز کی طرح قرار دیا جاتا ہے جبکہ استعارہ میں ایک چیز کو ہو بہو دوسری چیز قرار دیا جاتا ہے اور اس دوسری شے کے لوازمات پہلی چیز سے منسوب کر دیئے جاتے ہیں۔استعارہ کی تعریف کرتے ہوئے پروفیسر انور جمال اپنی کتاب "ادبی اصطلاحات "میں رقمطراز ہیں:

> "استعارہ علمِ بیان کی اصطلاح ہے جس کے معنی ادھار لینا ہے۔"کسی شے کے لوازمات اور خصوصیات کو کسی دوسری شے سے منسوب کرنا استعارہ ہے۔" لفظ کو مجازی معنوں میں اس طرح استعمال کرنا کہ حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہو۔۔۔۔استعارہ کہلاتا ہے۔"(۱۰)

منصف خان سحاب اپنی کتاب "نگارستان "میں استعارہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "استعارہ کے لغوی معنی ادھار لینا ہے اور اصطلاح میں "جب کوئی لفظ اپنے حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہو اور حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق موجود ہو تو اسے استعارہ کہتے ہیں۔"[11]

اگر کوئی لفظ اپنے حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہو اور اس کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق موجود ہو تو اسے استعارہ کہتے ہیں۔ ایاز محمود ایازؔ کے کلام میں خوبصورت اور نادر تشبیہات کے ساتھ ساتھ استعاراتی رنگ بھی خوب نمایاں ہے۔ ایازؔ نے اپنے کلام میں استعارات کا استعمال بڑی مہارت کے ساتھ کیا ہے۔ ایازؔ کے مجموعہ کلام "مجھے تم ہار بیٹھو گے" سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کاسہ بہ دست ہم نہ تھے اس کی گلی کے موڑ پر
کنگن تھے اس کلائی کا اس کے گلے کا ہار تھے[12]

اپنی آنکھوں میں پا لیا ہو گا
دل کو دریا بنا لیا ہو گا[13]

مندرجہ بالا شعر اولیٰ میں شاعر نے خود کو محبوب کے کلائی کے کنگن اور گلے کے ہار سے استعارہ کیا ہے۔ بظاہر یہ نیا اور نادر استعارہ ہے اور شعر میں استعارہ کا استعمال بہت خوبصورت انداز میں ہوا ہے۔ جبکہ مندرجہ بالا شعر ثانی میں ایاز محمود ایازؔ نے دل کو دریا سے استعارہ کیا ہے۔ جس نے استعارہ میں کمال ندرت پیدا کر دی ہے۔ اسی طرح ایازؔ کے مجموعہ کلام "مجھے تم ہار بیٹھو گے" سے استعارہ کی مزید مثالیں ملاحظہ ہوں:

میں تھا بس ریت پہ لکھا ایک حرف
اس نے مجھ کو مٹا لیا ہو گا[14]

میں دریا ہوں کہاں جاؤں گا میں آخر
مجھے اک روز ہے گرنا سمندر میں[15]

مندرجہ بالا شعر اولیٰ میں شاعر نے خود کو ریت پہ لکھا حرف سے استعارہ کیا ہے۔ جبکہ شعر ثانی میں شاعر نے خود (انسان) کو دریا سے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمندر سے استعارہ کیا ہے۔ اس شعر کا خیال انتہائی خوبصورت ہے۔ اور جو مضمون بیان ہوا ہے وہ صوفیانہ ہے۔

مجھ میں رہ کر بڑے ہوئے ہیں یہ
میرے دکھ بھی تو میرے بچے ہیں(١٦)

مندرجہ بالا شعر میں استعارہ کا استعمال بہت خوبصورت ہے۔ شاعر نے اپنے دکھوں کو اپنے بچوں سے استعارہ کیا ہے۔ شاعر نے دُکھ کے لیے بڑا خوبصورت استعارہ استعمال کیا ہے۔ اس میں جدت کی صورت نظر آتی ہے۔

بحیثیت مجموعی اگر دیکھا جائے تو تشبیہات اور استعارات کا استعمال محاسن کلام میں سے ہے۔ تشبیہات و استعارات کے استعمال سے جہاں ایک طرف شعر کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے وہیں دوسری طرف یہ شاعر کی بلند نظری اور اس کے عمیق تجربات و مشاہدات کے بھی غماز ہوتے ہیں۔ تشبیہات و استعارات شاعری کی جان ہیں لیکن ان کا استعمال توازن سے ہو تو شاعری اور بھی پر لطف اور خوبصورت ہو جاتی ہے۔ تشبیہات کی طرح استعارات کا استعمال بھی ایازؔ کے کلام میں بڑی عمدگی سے ملتا ہے۔

مجازِ مرسل:

مجاز کے لغوی معنی حقیقت کے برعکس یا جس کا وجود نہ ہو کے ہیں۔ جب کلمہ ترکیب کلام میں اپنے وضعی معنی کے برخلاف دیگر معانی کا قرینہ فراہم کرتا ہے تو اسے مجاز کہتے ہیں۔ اور معانی مجازی معانی کہلاتے ہیں۔ مرسل کے لغوی معنی بھیجا گیا یا ارسال کیا گیا کے ہیں۔ مجازِ مرسل میں الفاظ اپنے حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنوں میں کچھ اس طرح استعمال ہوتے ہیں کہ ان کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق پایا جاتا ہے۔ پروفیسر انور جمال یوں رقمطراز ہیں:

"لفظ کو غیر حقیقی (مجازی) معنوں میں اس طرح استعمال کرنا کہ حقیقی اور مجازی معنوں کے درمیان تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق ہو مثلاً تلوار سے اقتدار، طاقت، غضب یا دشمنی مراد لینا ہے۔"(١٧)

مولانا رومی نے مجاز مرسل کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے تعریف ملاحظہ ہو:

"معانی لغوی اور مجازی میں اگر علاقہ تشبیہ ہو تو استعارہ ہے نہیں تو مجازِ مرسل۔"[١٨]

مولانا رومی کے مندرجہ بالا بیان کی رو سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب کوئی لفظ اپنے حقیقی معنی کی بجائے مجازی معنی میں اس طرح استعمال ہو کہ اس لفظ کے لغوی معنی اور مجازی معنی میں تشبیہ کا تعلق پایا جاتا ہو تو اسے استعارہ کہا جاتا ہے نہ کہ مجازِ مرسل۔ لیکن جب کوئی لفظ مجازی معنی میں اس طرح استعمال ہو کہ اس لفظ کے حقیقی معنی اور مجازی معنی میں تعلق یا علاقہ تشبیہ کا نہ ہو بلکہ کوئی اور ہو تو اسے مجازِ مرسل کہا جاتا ہے۔ مجاز مرسل کی تعریف کرتے ہوئے جلاالدین احمد جعفری لکھتے ہیں:

"جب کسی لفظ کو حقیقی معنوں کی علاوہ مجازی معنوں میں استعمال کریں اور حقیقی و مجازی معنوں میں پایا جانے والا تعلق تشبیہ کا نہ ہو بلکہ اس کے سوا اور تعلق ہو تو علمِ بیان کی رو سے اسے مجازِ مرسل کہتے ہیں"۔[١٩]

مختصر یہ کہ جب کوئی لفظ اپنے حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنوں اس طرح استعمال ہو کہ اس کے حقیقی و مجازی معنوں میں پایا جانے والا تعلق تشبیہ کے علاوہ کوئی اور ہو تو علمِ بیان کی رو سے اسے مجازِ مرسل کہتے ہیں۔ مجازِ مرسل میں حقیقی اور مجازی معنوں میں جو تعلق ہوتا ہے وہ مختلف قسم کا ہوتا ہے۔ ان تعلقات میں جزو بول کر کل مراد لینا، کل بول کر جزو مراد لینا، سبب بول کر مسبب مراد لینا، مسبب بول کر سبب مراد لینا، ظرف بول کر مظروف مراد لینا، مظروف بول کر ظرف مراد لینا، آلہ بول کر صاحب آلہ مراد لینا یا ماضی کی حالت سے موجودہ حالت مراد لینا قابل ذکر ہے ایاز محمود ایازؔ کے ہاں مجاز مرسل کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

میرے الفاظ اپنے ہونٹوں سے
گنگناؤ تو لوٹ آؤں گا[٢٠]

اس شعر میں میں مجاز مرسل کی ایک قسم جز بول کر کل مراد لینا استعمال کی گئی ہے۔یعنی ہونٹ جز ہے اور چونکہ یہاں ہونٹوں سے مراد پورا دہن ہے۔اسی لیے جز بول کر کل مراد لیا گیا ہے۔اسی طرح ایک اور شعر جو ایازؔ کے مجموعہ کلام "مجھے تم ہار بیٹھو گے" میں مجاز مرسل کی نشاندہی کرتا ہے ملاحظہ ہو:

جب نہ کوئی سنے زمانے میں
شور کیا کیا مچانے پڑتے ہیں[۲۱]

اس شعر میں مجازِ مرسل کی قسم کل بول کر جز مراد لینا استعمال کی گئی ہے۔یعنی کل (زمانہ) بول کر جز (زمانے کے لوگ) مراد لیا گیا ہے۔

تمھاری ذات نے مجبور کر دیا مجھ کو
وگرنہ میری تو ٹھوکر پہ اک زمانہ تھا[۲۲]

اس شعر میں مجازِ مرسل کی قسم کل بول کر جز مراد لینا استعمال کی گئی ہے۔یعنی کل (زمانہ) بول کر جز (زمانے کے لوگ) مراد لیا گیا ہے۔

تمھاری منتظر ہیں آج بھی یہ اتنی شدت سے
کہ رستہ دیکھتی آنکھیں مجھے اب مار ڈالیں گی[۲۳]

اس شعر میں میں مجاز مرسل کی ایک قسم جز بول کر کل مراد لینا استعمال کی گئی ہے۔آنکھیں جز ہے اور یہاں آنکھوں سے مراد پورا بدن ہے۔یعنی جز (آنکھیں) بول کر کل (بدن) مراد لیا گیا ہے۔

بحیثیت مجموعی اگر دیکھا جائے تو ایازؔ نے مجاز مرسل کا استعمال بڑی چابکدستی سے کیا ہے۔ اور اپنے اشعار میں اس کے استعمال سے معنی کی پیچ در پیچ سطحیں ہموار کی ہیں۔

کنایہ:

کنایہ کے لغوی معنی پوشیدہ، چھپا ہوا، اشارہ یا چھپی ہوئی بات کے ہیں۔علمِ بیان کی رو سے جب کوئی لفظ اپنے حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال ہو کہ اس کے حقیقی معنی بھی مراد

لیے جا سکتے ہوں تو اسے کنایہ کہتے ہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ "میں نے دھوپ میں بال سفید نہیں کیے" کہنے والے کی مراد یہ ہے کہ میں بوڑھا آدمی ہوں اس لیے تجربہ کار ہوں۔ ظاہر ہے بوڑھوں اور بڑوں کے بال سفید ہوتے ہی ہیں۔ کنایہ کے دو اجزاء ہیں۔ صفت اور موصوف، مندرجہ بالا مثال میں سفید بال صفت اور بوڑھا آدمی موصوف ہے۔ کنایہ کے متعلق ابوالاعجاز حفیظ صدیقی لکھتے ہیں کہ :

> "علمِ بیان کی اصطلاح میں کنایہ سے مراد وہ لفظ ہے جس کے حقیقی معنی مراد نہ ہوں بلکہ غیر حقیقی (مجازی) مراد ہوں لیکن اگر معنی حقیقی بھی مراد لیں تو بھی جائز ہو"۔ (۲۴)

ڈاکٹر صابر کلوری کنایہ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں :

> "کنایہ کے لغوی معنی ہیں چھپا کر بات کہنا، یعنی بات کو کچھ اس طرح بیان کرنا کہ مدعا کی وضاحت نہ ہونے پائے لیکن اصطلاح میں کنایہ سے مراد یہ ہے کہ کوئی لفظ اپنے حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنوں میں کچھ اس طرح استعمال کیا جائے کہ حقیقی اور مجازی دونوں معنی مراد لیے جا سکیں"۔ (۲۵)

شاعر کنایہ کے ذریعے پردوں میں بات کرتا ہے۔ اصل میں اس کی مراد مجازی معنی ہی ہوتے ہیں۔ کنایہ میں استعمال ہونے والے لفظوں کے اگر حقیقی معنی مراد لیے جائیں یا مجازی، دونوں صورتوں میں ایک ہی مطلب نکلتا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر ہارون الرشید اپنی کتاب "ادبی اصطلاحات" میں کنایہ کی تعریف یوں کرتے ہیں :

> " کنایہ کے لغوی معنی، پوشیدہ بات کرنا یا بات کو رمز و اشارے میں بیان کرنا۔ علمِ بیان کی رو سے کنایہ وہ لفظ ہے جس کے حقیقی معنی مراد نہ ہوں بلکہ غیر حقیقی مفہوم مراد ہو اگر حقیقی معنی بھی مراد لیں تو جائز ہیں" (۲۶)

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ کنایہ گفتگو کا نہایت خوبصورت سلیقہ ہے۔ نثر و نظم میں عموماً لاشعوری طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ہر زبان کنایہ کی جلوہ سامانی سے استفادہ کرتی ہے۔ کسی زبان میں کنایہ کے استعمال

کے لیے کسی خاص تربیت کی ضرورت ہے نہ اکتساب کی بلکہ بول چال کے ذریعے انسان کسی حد تک خود کنایہ کو اپنا لیتا ہے۔ایاز محمود ایازؔ کے ہاں کنایہ کا رنگ لیے ہوئے اشعار ملاحظہ ہوں:

راستوں کی مہک بتاتی ہے
کوئی تو ڈھونڈتا رہا ہے مجھے(۲۷)

کتنوں سے دوستی میں ہم یوں بھی ذرا پرے رہے
چہروں پہ خال و خد نہ تھے اندر کے اشتہار تھے(۲۸)

کنایہ کی یہ خوبصورتی ہے کہ وہ نہ صرف غزل کا حسن دوبالا کرتا ہے بلکہ ایسا دور جب شاعر اپنی بات کھل کر نہ کہہ سکتے ہوں ہر طرف پابندیاں ہی ہوں یعنی آمریت کا دور جس میں کسی ملک پر فوج کی حکمرانی ہوتی ہے تو ایسے میں شاعر اور ادیب اپنا مدعا بیان کرنے کے لیے اشاروں، کنایوں کا سہارا لیتے ہیں۔اس کے علاوہ جب شاعر نے شاعرانہ خوبی پیدا کرنے کے لیے یا اپنے محبوب یا کسی اور پر کوئی طنز کا نشتر چلانا ہو تو وہ کنایہ کا سہارا لیتا ہے۔مندرجہ بالا شعر اولیٰ میں راستوں سے خوشبو آنا سے مراد محبوب کا گزر ہونا ہے۔اور شعر ثانی میں لفظ "کوئی" محبوب کے لیے بطورِ کنایہ استعمال ہوا ہے۔دوسرے شعر میں کنایہ تعریض کا استعمال ہوا ہے۔چہروں کے خال وخد اور اندر کے اشتہار جیسی تراکیب کا استعمال کر کے شاعر نے لوگوں کے ظاہر و باطن پر طنز کیا ہے۔ایازؔ نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ کنایہ کے چلمن سے لگ کر اپنے نازک خیال کو بیان کیا۔کنایہ کا حامل مزید اشعار ملاحظہ ہوں:

سر پہ سورج رکا ہوا ہے مرے
اور بے سائبان ریت پہ ہوں(۲۹)

درختوں کی اداسی بڑھ گئی ہے
پرندہ ایک بھی آیا نہیں ہے(۳۰)

مندرجہ بالا شعر اولیٰ میں سر پہ سورج رکنا اور بے سائباں ریت پہ ہونا جیسی تراکیب کے استعمال سے کنایہ کی صورت پیدا کی ہوئی ہے۔سر پہ سورج رکنا سے مراد کڑا وقت ہونا اور بے سائباں ریت پہ ہونا

سے مراد کہ کوئی سہارا نہ ہونا اور سب کا مخالفت کرنا مراد ہے۔ شعر ثانی میں کنایہ کا خوبصورت استعمال کیا گیا ہے۔ پرندے نہ آنا اور درختوں کی اداسی بڑھنا، خزاں کے لیے کنایہ ہے۔

بحیثیت مجموعی اگر دیکھا جائے تو غزل کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں ایک بات بتائی جاتی ہے اور ایک چھپائی جاتی ہے۔ لیکن کنایہ میں یہ خاصیت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے، جس وجہ سے کنایہ غزل کے بہت قریب ہو جاتا ہے۔ ایازؔ نے کنایہ کی یہ خصوصیت استعمال کر کے اپنی غزل کے بعض اشعار رمز سے لبریز کیے ہیں۔ اور قاری کو کئی موقعوں پر خوشگوار حیرت میں مبتلا کر کے اپنے آپ کو غزل کا بہترین شاعر ثابت کیا ہے۔

علمِ بدیع:

"بدیع" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی "بنانے والا"، "موجد"، "نادر"، "نو ایجاد شے" اور "انوکھا" کے ہیں۔ اس علم کے ذریعے کلام کی لفظی اور معنوی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں۔ اصطلاح میں بدیع اس علم کا نام ہے جس میں صنائع معنوی و لفظی بیان کی جاتی ہیں اور یہ صنائع تزئین کلام کا باعث بنتی ہیں۔ منصف خان سحاب اس ضمن میں رقمطراز ہیں:

> "صنائع اصل میں صنعت کی جمع ہے اس کے معنی ہنر، کاری گری اور مہارت کے ہیں۔ اگر لفظوں سے کلام کی آرائش و زیبائش کرنی ہو اور کلام کی شان و شوکت بڑھانی ہو تو اسے صنائع لفظی کہیں گے اور اگر معنوں میں خوبی پیدا کر کے کلام کی خوبصورتی اور تاثیر میں اضافہ کرنا ہو تو اسے صنائع معنوی کہیں گے۔"(۳۱)

عبداللہ بن معتز عباسی کو علمِ بدیع کا بانی شمار کیا جاتا ہے۔ جس نے ۲۷۴ھ میں اس علم کے قواعد اختراع کر کے "بدیع" نام مقرر کیا۔ عبداللہ بن معتز عباسی نے اس علم کے بارے میں ایک کتاب لکھی جس میں سترہ قسم کی صنائع درج ہیں۔ بعد میں آنے والوں نے صنائع کی تعداد میں اضافہ کیا۔ خاص طور پر

عباسی کے ہم عصر علامہ قدآمہ نے ۱۳ صنعتوں کا اضافہ کیا۔ابو ہلال عسکری،ابنِ رشیق اور ابنِ ابی الاصبع نے بھی اس علم میں کئی اہم اضافے کیے مگر علمِ بدیع کو بحیثیت ایک علم کے تسلیم کروانے والوں میں عبدالقادر جرجانی، یوسف اسکاکی، علامہ قزوینی اور سعد الدین تفتازانی کے نام بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

علم بدیع ایک ایسا علم ہے جو کلام کے حسن سے بحث کرتا ہے۔کلام کی لفظی خوبیاں اور معنوی حسن دونوں علمِ بدیع کی ذیل میں ہی آتے ہیں۔سید عابد علی عابد نے علم بدیع کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

> "علم بدیع وہ علم ہے جس کے ذریعے محسنات کلام یا خوبی ہائے شعر کے کوائف دریافت کیے جاتے ہیں یہ محسنات یا الفاظ میں ہوں گئے یا معنی میں ، لیکن ان کی موجودگی فنکار پر واجب نہیں ہے البتہ موزوں و مناسب ہے کہ اس کا کلام خوبیوں سے آراستہ ہو۔"(۳۲)

علمِ بدیع کی تعریف کرتے ہوئے منصف خان سحاب اپنی کتاب "نگارستان" میں لکھتے ہیں:

> "بدیع کے معنی "اچھوتے" اور نادر کے ہیں۔اس کے ذریعے کلام میں اچھوتا پن پیدا کیا جاتا ہے۔یہ کلام کی آرائش و زیبائش ہے۔اس سے کلام کی خوبصورتی بڑھ جاتی ہے اور کلام مزین ہو جاتا ہے۔اصطلاح میں بدیع اس علم کا نام ہے جس میں صنائع معنوی و لفظی بیان کی جاتی ہیں اور یہ صنائع تزین کلام کا باعث بنتی ہیں۔"(۳۳)

ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم علم بدیع کی تعریف یوں کرتے ہیں:

> "علم بدیع اس علم کو کہتے ہیں جس سے کلام کی آرائش کے طریقے معلوم ہوتے ہیں۔کلام کی آرائش دو قسم کی ہوتی ہے ، لفظی اور معنوی۔لفظی

آرائش کا طریقہ صنعت لفظی اور معنوی آرائش کا طریقہ صنعت معنوی کہلاتا ہے۔"(۳۴)

علم بدیع مشرقی شعر وادب کی روایت کا حصہ ہے۔ یہ ایک ایسا فطری انداز بیاں ہے جو عربی، فارسی اور اردو شعر وادب کے ہر دور میں مستعمل رہا ہے۔ اردو کی کلاسیکی شاعری، جس میں اس علم کا کثرت سے استعمال کیا گیا ہے اس نے نہ صرف اردو زبان کو ترقی دی بلکہ اپنے خاص پیرائے کی بدولت اپنی الگ شناخت اور انفرادیت بھی قائم کرلی۔

صنائع بدائع کا استعمال کسی بھی شاعر کے کلام کو حسن اور ندرت عطاء کرتا ہے اس سے کلام میں خوبصورتی دل آویزی اور آرائش و زیبائش پیدا ہوتی ہے، ہر دور کے شعراء نے اپنے کلام میں حسن پیدا کرنے کے لیے صنائع بدائع کا استعمال کیا ہے ایاز محمود ایازؔ کے کلام میں بھی ان محاسن سے مزین کئی صورتیں سامنے آتی ہیں جہاں ان کے کلام میں زبان و بیان کی دوسری نزاکتیں موجود ہیں وہاں مختلف صنعتوں کا استعمال بھی بھرپور دیکھائی دیتا ہے۔ ایازؔ کے ہاں جو صنعتیں مستعمل ہیں ان کا ذیل میں مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

صنعت مراعات النظیر:

اس صنعت کو تناسب، توفیق، تلفیق اور ایتلاف بھی کہتے ہیں۔ "مراعات" کے معنی ملحوظ رکھنا اور "نظیر" کے معنی مثال کے ہیں۔ اصطلاحاً کلام میں ایسے الفاظ کا استعمال کرنا جن کے معنوں میں ایک خاص مناسبت اور تعلق ہو لیکن یہ مناسبت و تعلق تضاد کے نہ ہوں تو اسے صنعت مراعات النظیر کہتے ہیں۔ محمد حسن عسکری اپنی تصنیف "آئنیہ بلاغت" میں اس صنعت کی تعریف یوں کرتے ہیں:

> " کلام میں دو ایسے الفاظ جمع کیے جائیں جن کے معنی میں ایک دوسرے کے ساتھ ایک نسبت واقع ہو مگر یہ نسبت تضاد اور تقابل کی نہ ہو۔"(۳۵)

ایاز محمود ایازؔ کے کلام سے صنعت مراعات النظیر کی ذیل میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

جگنو تارے تتلی اور پرندے ہوں
بستی سے انسان اٹھا کر لے جاؤ(۳۶)

مندرجہ بالا اشعار میں جگنو،تارے اسی طرح تتلی اورپرندے دونوں میں ایک نسبت ہے۔ایک نسبت رکھنے والے الفاظ کا استعمال کر کے مراعات النظیر کاخوبصورت استعمال کیا گیاہے۔

میری نظمیں میرے الفاظ مرے شعر تمام
تری آنکھوں پہ کبھی گال پہ آ بیٹھتے ہیں(۳۷)

نظمیں،الفاظ،شعر سے مراد شاعری ہے تو ان سب میں ایک تعلق اور ایک ہی نسبت پائی جاتی ہے۔اسی طرح آنکھوں اور گال کا تعلق چہرے (منہ) سے ہے تو اس لحاظ سے ان میں ایک ہی نسبت ہے۔ان الفاظ کے استعمال سے صنعت مراعات النظیر کاخوبصورت استعمال کیا گیاہے۔

ساحل کی میں امید بھلا کیسے لگاؤں
لہریں بھی مخالف ہیں کنارے بھی مخالف(۳۸)

مندرجہ بالا اشعار میں ساحل،لہریں اور کنارے کے الفاظ استعمال کر کے صنعت مرعات النظیر کا خوبصورت استعمال کیا گیاہے۔ساحل،لہریں اور کنارے ان تمام الفاظ میں ایک ہی نسبت پائی جاتی ہے۔

چند خط، پھول ، کتابیں ، تری تصویریں ہیں
زندگی ہم نے گذاری اسی جاگیر کے ساتھ(۳۹)

مندرجہ بالا اشعار میں خط،پھول،کتابیں اور تصوریں،ان تمام الفاظ میں ایک نسبت پائی جاتی ہے۔شعر میں ان الفاظ کے استعمال سے مراعات النظیر کاخوبصورت استعمال کیا گیاہے۔

صنعت سیاقتہ الاعداد:

جب شاعر کلام میں اعداد یا کسی چیز کی تعداد کا ذکر بالترتیب یا بلاترتیب کرے تو اس کو علمِ بدیع کی اصطلاح میں صنعت سیاقتہ الاعداد کہتے ہیں۔مثلاً دو،چار،سو،ہزار،لاکھ،وغیرہ کا ذکر اگر کسی شعر میں ہو تو

اس کو صنعت سیاقتہ الاعداد کہیں گے۔ منصف خان سحاب صنعت سیاق الاعداد کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کلام میں اعداد کا ذکر کرنا چاہے وہ ترتیب سے ہو یا بغیر ترتیب کے۔" (۴۰)

ایاز محمود ایازؔ کے کلام سے صنعت سیاقتہ الاعداد کی ذیل میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

بس تم ہی اک نگاہ میں دل کو ہمارے بھا گئے
لوگوں کی بات کیا کریں لوگ تو بے شمار تھے (۴۱)

اس شعر میں لفظ "اک" کے استعمال سے صنعت سیاقتہ الاعداد پیدا کی گئی ہے۔

بس یہ نصیب میں نہ تھا پہلو بہ پہلو ہم رہیں
پابہ رسن تھے ہم بھی کچھ اس کے دکھ ہزار تھے (۴۲)

اس شعر میں "ہزار" کا لفظ لا کر صنعت سیاقتہ الاعدد کا استعمال کیا گیا ہے۔

زباں کا حسن میسر نہیں تو چہروں پر
ہزاروں پھول سجانے سے کچھ نہیں ملتا (۴۳)

اس شعر میں لفظ "ہزاروں" کے استعمال سے صنعت سیاقتہ الاعدد پیدا کی گئی ہے۔

صنعت حسنِ تعلیل:

یہ صنائع معنوی کی ایک اصطلاح ہے۔ "تعلیل" کے لغوی معنی "وجہ متعین کرنا یا وجہ بیان کرنا" کے ہیں اور "حسن" کے معنی "خوبصورتی" کے ہیں۔ صنعت حسن تعلیل سے مراد ہے کسی چیز کی کوئی ایسی علت (سبب) بیان کرنا جو حقیقت میں اس کی علت (وجہ) نہ ہو۔ اس ضمن میں ڈاکٹر عمر فاروق رقمطراز ہیں:

"کسی شے یا امر کے کسی خاص وصف کے واسطے ایسی علت سے کام لیا جائے جو
واقعتاً اس کی علت نہ ہو۔ حقیقی وجہ کچھ اور یا وجہ معلوم ہی نہ ہو مگر اس میں
شاعرانہ جدت اور معنوی نزاکت ہو۔"[۴۴]

یعنی کلام میں کسی امر یا واقعے کی ایسی علت بیان کرنا جو پر لطف تو ہو مگر اصل وجہ نہ ہو۔ایاز محمود ایازؔ کے کلام سے صنعت حسنِ تعلیل کی ذیل میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

یہ لہریں بے وجہ کب شور کرتی ہیں
کوئی تو ہے جو ٹھہرا سمندر میں[۴۵]

مرتا ہے بہر طور وہ اپنی ہی زمیں پر
جگنو کے اُجالے بھی اندھیرے بھی مخالف[۴۶]

مندرجہ بالا شعر اولیٰ میں لہروں کے شور کی وجہ سمندر میں کسی کے ٹھہرنے کو قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ یہ تو ایک قدرتی عمل ہے کہ پانی کی لہریں جب ہوا کی وجہ سے ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں تو اس سے قدرتی طور پر آواز پیدا ہوتی ہے۔ جبکہ شعر ثانی میں صنعتِ حسن تعلیل کا خوبصورت استعمال ہوا ہے۔ جگنو کے نہ تو اجالے مخالف ہوتے ہیں نہ اندھیرے یہ قدرتی عمل ہے کہ وہ دن میں نہیں ہوتا بلکہ رات کے اندھیرے میں نمودار ہوتا ہے اور فطرتی طور پر روشنی کی طرف لپکتا ہے اور مر جاتا ہے۔ جبکہ یہ اندھیرا خود بھی وہ چراغ نہیں جلاتا نہ اس کی کوئی منشا ہوتی ہے کہ چراغ جلے اور جگنو مرے۔

ہم کو خواب کی تعبیروں کے جھانسے میں
آنکھیں روز سلا دیتی ہیں چپکے سے[۴۷]

شعر ہوتے ہیں تیرے ہونے سے
ورنہ اشعار کہاں ہوتے ہیں[۴۸]

مندرجہ بالا اشعار میں صنعتِ حسنِ تعلیل کا خوبصورت استعمال ہوا ہے۔ نیند آنا قدرتی عمل ہے اور بدن کی ضرورت ہے لیکن شاعر نے آنکھوں کو مختار ظاہر کیا ہے کہ وہ خواب دکھانے کے لیے سلاتی

ہیں۔ حالانکہ نیند آنے کی اصل وجہ آنکھوں کے خواب نہیں بلکہ یہ ایک قدرتی عمل ہے۔ شعر ثانی میں شعر ہونے کی وجہ محبوب کے ہونے کو قرار دیا گیا ہے۔ لیکن شعر تو الہام کی صورت ہوتے ہیں نہ کہ کسی کے ہونے سے۔

صنعتِ حسنِ تعلیل چونکہ صنائع معنوی کی سب سے دلکش صنعت ہے۔ اس کا استعمال شاعر کے گہرے فنی شعور کی دلیل ہوتا ہے اس صنعت میں شاعر ایسا خیالی یا تخیلاتی سبب بیان کرتا ہے جو نہ صرف دلچسپ پر لطف اور بلیغ ہوتا ہے بلکہ اس سے شاعر کے تخیل کی رفعت، خیال کی ندرت اور فکر کی جدت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ ایاز محمود ایازؔ کے ہاں اس صنعت کا استعمال ان تمام ترخوبیوں سے مملو ہے جو ان کی فنی مہارتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

صنعتِ تکرار / تکرارِ لفظی:

کلام میں حسن پیدا کرنے کے لیے الفاظ کا استعمال مکرر بار کرنا۔ اس کے ذریعے سے کلام یا شعر میں حسن اور تازگی پیدا ہوتی ہے۔ صنعتِ تکرار اس صنعت کو کہتے ہیں جس میں کسی لفظ کو کلام میں مکرر لایا جاتا ہے۔ مزمل حسین نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں صنعتِ تکرار کی تعریف یوں کی ہے:

> "علم بدیع کی اصطلاح میں صنعت تکرار اس صنعت کو کہتے ہیں جس کے تحت شعر یا مصرعہ میں کسی لفظ کو تقریب یا زور دینے کے انداز میں مقرر لایا جائے"۔ (۴۹)

لفظی اور حرفی تکرار سے نہ صرف شعر کی معنویت میں زور پیدا ہوتا ہے بلکہ آہنگ و ترنم پیدا کرنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ خدیجہ شجاعت علی "فنِ شاعری" میں اس کی تعریف یوں بیان کرتی ہیں:

> "کلام میں ایسے الفاظ لائے جائیں جن کی تکرار سے کلام میں زور اور حسن پیدا ہو جائے"۔ (۷۴)

ایاز محمود ایازؔ کے کلام سے صنعتِ تکرار کی ذیل میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

جیسے آن بسا ہو جنگل کوئی اُجڑا اُجڑا سا
بھیڑیے سو ملتے ہیں اب انسانوں کی بستی میں(۵۰)

اس شعر میں اُجڑا اُجڑا تکرارِ لفظی ہے۔ جس کے استعمال سے شعر کے حسن میں اضافہ ہوا ہے۔

شاخ در شاخ تو رہتے ہیں نظر میں لیکن
پھول بالوں میں سجانے کا طریقہ کیا ہے(۵۱)

اس شعر میں شاعر نے "شاخ" کا لفظ ایک ساتھ مکرر بار استعمال کر کے شعر میں تکرارِ لفظی کا استعمال کیا ہے۔

انہیں روکو انہیں روکو خدا کے واسطے ایازؔ
مسلسل گھورتی آنکھیں مجھے اب مار ڈالیں گی(۵۲)

درج بالا شعر میں انہیں روکو انہیں روکو، تکرارِ لفظی ہے۔ جس سے شعر کی دلکشی اور رعنائی میں اضافہ ہوا ہے۔

کرچی کرچی نہ بنا مجھ کو اکٹھا کر دے
اپنی آنکھوں میں سجا مجھ کو اکٹھا کر دے(۵۳)

مندرجہ بالا شعر میں کرچی کرچی تکرارِ لفظی ہے۔ جس کے استعمال نے شعر کو حُسن اور تازگی بخشی ہے۔

ایاز محمود ایازؔ نے مندرجہ بالا تمام اشعار میں تکرارِ لفظی کا جا بجا استعمال کیا ہے۔ جس سے اشعار میں حُسن، تازگی، خوبصورتی اور دلکشی پیدا ہوئی ہے۔ شعر میں تکرارِ لفظی کے استعمال سے نہ صرف قاری لطف اندوز ہوتا ہے بلکہ اس کا استعمال پڑھنے والے کو بھی متاثر کرتا ہے۔ اور اس صنعت کے استعمال سے شعر میں تاثر، موسیقیت اور حسن کی کیفیت پیدا کی جاتی ہے۔

صنعت تلمیح:

تلمیح عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی اشارہ کرنے کے ہیں۔اصطلاح میں تلمیح سے مراد کسی مشہور تاریخی واقعے، قصے، روایت، قرآنی آیات یا حدیث نبوی یا کسی علمی اصطلاح کو کلام میں لانا تلمیح کہلاتا ہے۔پروفیسر انور جمال صنعتِ تلمیح کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "تلمیح کی اصطلاح علمِ بدیع کے حصے میں آئی ہے۔کلام میں کوئی ایسا لفظ یا مرکب استعمال کرنا جو کسی تاریخی، مذہبی یا معاشرتی واقعے یا کہانی کی طرف اشارہ کرے تلمیح ہے۔ تلمیح وہ الفاظ ہوتے ہیں جو کسی واقعے کے ساتھ خاص ہو جاتے ہیں اور مستقل طور پر اس وقوع کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں مثلاً چاہ یوسف کی ترکیب سامنے آتے ہی حضرت یوسف کا پورا قصہ ذہن میں آجاتا ہے۔ اردو شاعری میں اقبالؒ اور غالب کے ہاں خوبصورت تلمیحات موجود ہیں۔"(۵۴)

مندرجہ بالا بیان کی رو سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ صنعت تلمیح سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی شاعر اپنے کلام یا شاعری میں کسی مشہور تاریخی واقع، قصے، یا اصطلاح وغیرہ کی طرف اس طرح اشارہ کرے کہ جب تک اس اشارے کی تشریح و وضاحت نہ کی جائے تو اس شعر کا مفہوم ادھورا ہو تو، اس کو علم بدیع کی اصطلاح میں صنعتِ تلمیح کہا جاتا ہے۔ایاز محمود ایازؔ کے ہاں صنعتِ تلمیح کا استعمال ملتا ہے۔اس ضمن میں ان کے مجموعہ کلام "مجھے تم ہار بیٹھو گے" سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

میں نے اتنا عشق کمایا ہے کے اب تو
شعروں میں اک ہیر بنائی جا سکتی ہے(۵۵)

میرے ملک کو لوٹنے والے دونوں ہیں
میاں یا زرداری ہے غداری ہے(۵۶)

حسین ابن علی لکھا تھا لہروں پر
سکوت اک چھا گیا گہرا سمندر میں(۵۷)

ایاز محمود ایازؔ نے مندرجہ بالا شعر اولی میں ہیر کا ذکر کر کے تلمیح پیدا کی ہے۔ دوسرے شعر میں میاں اور زرداری جیسی تاریخی شخصیات کے ذکر سے جبکہ تیسرے شعر میں حسین ابن علی کے ذکر سے صنعت تلمیح پیدا کی گئی ہے۔ اُردو شعر و ادب میں صنعت تلمیح کا استعمال بے تحاشہ ملتا ہے اور تلمیحات کا ایک عظیم ذخیرہ موجود ہے۔ جو اردو ادب کے تخلیق کاروں کے علمی، ادبی، فنی اور شعور کا پتہ دیتا ہے۔ ایازؔ بھی ان شعراء میں سے ایک ہیں جن کا مطالعہ انتہائی وسیع ہے۔ اور اپنے مطالعے سے مستفید ہوتے ہوئے اپنی شاعری میں بہترین تلمیحات کا استعمال کر کے معنوی جہتیں پیدا کرتے ہیں۔

صنعت تجنیس:

تجنیس کے لغوی معنی ہم جنس کے ہیں۔ اصطلاح میں صنعت تجنیس سے مراد کلام میں دو ایسے الفاظ لانا جو تحریر و تقریر میں مشابہ یا قریب قریب مشابہ ہوں لیکن معنی کے لحاظ سے مختلف ہوں۔ اس سے کلام میں خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔ پروفیسر انور جمال اپنی کتاب "ادبی اصطلاحات" میں صنعت تجنیس کی تعریف یوں کرتے ہیں:

> "یہ ایک صنعتِ شاعری ہے اس سے مراد ہم جنس ہونا اور ہم صوتیت ہے۔
> کلام میں دو ایسے الفاظ استعمال کرنا جو تلفظ یا املا دونوں میں مشابہت رکھتے ہوں
> لیکن معنوں میں اختلاف ہو "تجنیس" کہلاتا ہے۔"(۵۸)

ایاز محمود ایازؔ کے کلام سے صنعت تجنیس کی ذیل میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

جن کے حصے میں ٹھوکریں آئیں
ان سے بن پاتے ہیں خواب کہاں(۵۹)

اس شعر میں "جن" اور "بن" کے دو الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے، جو تلفظ میں مشابہت رکھتے ہیں۔ مشابہ تلفظ رکھنے والے ان دو الفاظ کے استعمال سے شعر میں صنعت تجنیس پیدا کی گئی ہے۔

دار تک سر جو نہ پہنچے ان کا
لوگ سردار کہاں ہوتے ہیں(۶۰)

مندرجہ بالا شعر میں "دار"اور"سر دار" کے دو الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے، جو تلفظ میں مشابہت رکھتے ہیں۔ مشابہ تلفظ رکھنے والے ان دو الفاظ کے استعمال سے شعر میں صنعت تجنیس پیدا کی گئی ہے۔

مندرجہ بالا تمام اشعار میں ایاز محمود ایازؔ نے صنعتِ تجنیس کا خوبصورت استعمال کیا ہے۔

صنعت تجنیس تام:

کلام میں ایسے الفاظ لانا جو تعداد، حروف، نوع، ترتیب، اعراب غرض ہر لحاظ سے یکساں ہوں مگر معنی کے لحاظ سے مختلف ہوں تو اسے صنعت تجنیس تام کہتے ہیں۔ منصف خان سحاب صنعت تجنیس تام کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایسے الفاظ کلام میں لانا جو تعداد حروف، ترتیب اور اعراب غرض ہر لحاظ سے
یکساں ہوں مگر معنی کے لحاظ سے مختلف ہوں۔"(۶۱)

ایاز محمود ایازؔ کے کلام سے صنعت تجنیس تام کی ذیل میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

گھڑی کو لمحہ لمحہ دیکھ کر اٹھ جاؤ گے آخر
گھڑی بھر کے لیے گر تم پئے گفتار بیٹھو گے(۶۲)

اس شعر میں "گھڑی"اور"گھڑی" دو ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جو حروف، ترتیب، اعراب، تلفظ غرض ہر لحاظ سے یکساں ہیں۔ لیکن معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ "گھڑی" وقت بتانے کا آلہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ پھر "گھڑی" وقت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

جانے کس کس کے ہاتھ میں سنگ ہیں
اور میں بے زبان ریت پہ ہوں(۶۳)

"میں "اور"میں" دو ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جو حروف، ترتیب، اعراب، تلفظ غرض ہر لحاظ سے یکساں ہیں۔ لیکن معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ شعر کے پہلے مصرع میں،

''میں''ہاتھ کے اندر یا مٹھی میں، کے لیے استعمال ہوا ہے یعنی ہاتھ میں۔اور دوسرے مصرع میں، ''میں'' متکلم کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

ہجر میں جان نہ لے جان تو اب جان بھی لے
در بدر یوں نہ رلا مجھ کو اکٹھا کر دے(۶۴)

مندرجہ بالا شعر میں ''جان''زندگی کے معنوں میں اور پھر ''جان'' محبوب کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ شعر میں صنعت تجنیس تام کا استعمال بڑی خوبصورتی سے کیا گیا ہے۔

صنعت تضاد/ طباق:

تضاد کے لغوی معنی''الٹ'' کے ہیں۔اصطلاح میں، کلام میں دو یا دو سے زیادہ ایسے الفاظ لانا جن کے معنی ایک دوسرے کی ضد ہوں اسے صنعت تضاد کہتے ہیں۔ مثلاً جرات کا یہ شعر جو صنعتِ تضاد کی عمدہ مثال ہے، ملاحظہ ہو:

گاہ مرتا ہوں گاہ جیتا ہوں
آنا جانا ترا قیامت ہے(۶۵)

مندرجہ بالا شعر میں جرات نے مرنا، جینااور آنا، جانا کے متضاد الفاظ ایک ساتھ استعمال کر کے صنعتِ تضاد پیدا کی ہے۔

صنعتِ تضاد سے مراد کلام میں دو یا دو سے زائد ایسے الفاظ کا استعمال کرنا جو آپس میں باہم متضاد ہوں یعنی جن میں بہ اعتبار معنی ضد پائی جائے، یہ دونوں الفاظ کوئی اسم بھی ہو سکتے ہیں اور دونوں فعل بھی یا ایک اسم اور ایک فعل بھی ہو سکتا ہے۔مزمل حسین صنعت تضاد کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''کلام میں دو ایسے الفاظ استعمال کرنا جو معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہوں، خواہ دونوں اسم ہوں یا فعل یا دونوں حرف ہوں، یا ایک اسم اور ایک فعل۔''(۶۶)

صنعتِ تضاد کی دو قسمیں صنعت ایجابی اور دوسری صنعت سلبی ہیں۔ صنعت ایجابی اسے کہتے ہیں جس کے الفاظ متضاد کے ساتھ حرف نفی نہ ہو۔

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
زندگی یوں ہی تمام ہوتی ہے(۶۷)

صنعت سلبی اسے کہتے ہیں جس کے الفاظ متضاد کے ساتھ حرف نفی آئے۔ مثلاً

جو آ کے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا
جو جا کہ نہ آئے وہ جوانی دیکھی(۶۸)

ایاز محمود ایازؔ کے مجموعہ کلام "مجھے تم ہار بیٹھو گے" سے صنعتِ تضاد کے حامل چند خوبصورت اشعار ملاحظہ ہوں:

مسجد مندر گرجا گھر کے وحشی تم
اپنے سب بھگوان اٹھا کر لے جاؤ(۶۹)

درج بالا شعر میں صنعتِ تضاد کا استعمال بڑے خوبصورت انداز میں ہوا ہے۔ اس میں "مسجد اور "مندر" دو متضاد الفاظ کا استعمال کر کے صنعتِ تضاد پیدا کی گئی ہے۔

میں گیت سُن رہا ہوں پر ملال سے بھرے ہوئے
خوشی کے تال اب یہاں سماعتوں سے دور ہیں(۷۰)

درج بالا شعر میں "خوشی" اور "ملال" دو متضاد الفاظ سے صنعتِ تضاد پیدا کی گئی ہے۔

تمہاری چاہتوں کی شدتوں سے خوف آتا ہے
جسے جینا سکھایا تھا اسے تم مار بیٹھو گے(۷۱)

درج بالا شعر میں صنعتِ تضاد کا استعمال بڑے خوبصورت انداز میں ہوا ہے۔ اس شعر میں "جینا" اور "مرنا" متضاد مفہوم رکھنے والے الفاظ کے استعمال سے صنعتِ تضاد پیدا کی گئی ہے۔

کچھ تو کر دے گا دن نڈھال ہمیں
اور کچھ رات مار ڈالے گی(۷۲)

درج بالا شعر میں ایازؔ نے صنعتِ تضاد کا استعمال بڑے اچھے انداز میں کر کے شعر کی خوبصورتی میں اضافہ کیا ہے۔اس شعر میں "دن" اور "رات" کے متضاد الفاظ ایک ساتھ لا کر صنعتِ تضاد پیدا کی گئی ہے۔

مندرجہ بالا اشعار میں ایاز محمود ایازؔ نے اس صنعت کا استعمال بڑی خوبصورتی سے کیا ہے۔ایازؔ نے اس صنعت کے ذریعے اپنے کلام کو معنی کے اس رخ سے روشناس کروایا ہے جہاں دو متضاد الفاظ مل کر ایک خیال کو جنم دیتے ہیں۔ صنعتِ تضاد ایک نازک صنعت ہے جس کے استعمال میں فنکارانہ مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کوئی نو مشق شاعر اس کو استعمال کرے تو غلطی کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ لیکن ایازؔ نے ایک کہنہ مشق استاد کی طرح اس صنعت کو برتا ہے۔

صنعت لف و نشر:

"لف" کے معنی لپیٹنا اور "نشر" کے معنی پھیلانا کے ہیں۔اصطلاح میں لف و نشر سے مراد کلام میں اول چند چیزوں کا ذکر کیا جائے اور پھر ان کی مناسبت سے چند دوسری چیزوں کا ذکر ہو۔کلام کا وہ حصہ جس میں چند معانی یا اشیاء کا ذکر ہو "لف" کہلاتا ہے اور جس حصے میں " لف" کے معنی سے مناسبت رکھنے والی چیزوں کا ذکر ہو "نشر"، لف و نشر کہلاتا ہے۔اس کی دو صورتیں ہیں۔ جس ترتیب سے لف بیان کیا گیا ہو اسی ترتیب سے نشر لایا جائے تو اسے لف و نشر مرتب کہتے ہیں اور اگر ترتیب میں فرق ہو تو وہ لف و نشر غیر مرتب ہو گا۔ پروفیسر انور جمال اپنی کتاب "ادبی اصطلاحات" میں س صنعت لف و نشر کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> "یہ صنائع بدائع کی ایک اصطلاح ہے،اس سے مراد لپیٹنا اور پھیلانا۔کلام میں پہلے چند چیزوں کا ذکر کرنا (لف) اور اس کے بعد ان چیزوں کو باترتیب یا بے ترتیب بیان کرنا (نشر) لف و نشر کہلاتا ہے۔لف و نشر صنعت کلام ہے جس

سے سماعت پر ایک خاص آہنگ کی ضرب پڑتی ہے اور لطافت و جمال پیدا ہوتا ہے۔ ترتیب اور بے ترتیب کے لحاظ سے لف و نشر کو مرتب اور غیر مرتب میں تقسیم کیا گیا ہے۔"(۷۳)

اگر شعر میں دونوں مصرعوں میں ترتیب موجود ہو تو لف و نشر مرتب اور اگر ترتیب موجود نہ ہو تو لف و نشر غیر مرتب ہو گی۔

لف و نشر مرتب:

شعر میں مصرعِ اولیٰ میں بیان کی گئی دو باتوں کے مقابل مصرعِ ثانی میں بیان کی گئی دو باتیں ترتیب وار ہوں تو یہ صنعتِ لف و نشر غیر مرتب ہو گی۔ یعنی جس ترتیب سے لف بیان کیا گیا ہو اسی ترتیب سے نشر لایا جائے تو اسے لف و نشر مرتب کہتے ہیں۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی صنعتِ لف و نشر کی تعریف کرتے ہوئے اپنی کتاب "کشاف تنقیدی اصطلاحات" میں لکھتے ہیں:

"مناسبات ترتیب کے ساتھ مذکور ہوں تو اسے لف و نشر مرتب کہتے ہیں۔ جیسے:

آتش و آب و باد و خاک نے لی
وضع سوز و نم و دم و آرام"(۷۴)

ایاز محمود ایازؔ کے مجموعہ کلام "مجھے تم ہار بیٹھو گے" سے صنعت لف و نشر مرتب کی ذیل میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

ہر طرف کانٹے اگ رہے ہیں اب
فصل کیا ایسی بو گئے ہو تم(۷۵)

مندرجہ بالا شعر میں کانٹے کی نسبت سے فصل اور اگنا کی نسبت سے بونا ہے۔ ان میں پائی جانے والی نسبت میں ایک ترتیب موجود ہے، اس لیے یہ لف و نشر مرتب ہے۔ مزید مثال ملاحظہ ہو:

شام ٹھہری ہے تری زُلف پہ اور گال پہ تِل
چاند کے پاس ستارہ بھی تو ہو سکتا ہے(۷۶)

مندرجہ بالا شعر میں گال کی نسبت سے چانداور تِل کی نسبت سے ستارہ ہے۔ شعر میں جس ترتیب سے لف بیان ہوہے اسی ترتیب سے نشر لایا گیا ہے۔ لہذا یہ لف و نشر مرتب ہے۔اس شعر میں شاعر نے صنعت لف و نشر کا استعمال بڑی مہارت کے ساتھ کیا ہے۔ جس سے شعر کی خوبصورتی میں اضافہ ہوا ہے۔ ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

کوئی اپنا دغا دے تو بڑا افسوس ہوتا ہے
کوئی ساحل پہ ڈوبے تو بڑا افسوس ہوتا ہے(۷۷)

مندرجہ بالا شعر میں اپنا کی نسبت سے ساحل اور دغا کی نسبت سے ڈوبنا ہے۔ شعر میں جس ترتیب سے لف بیان ہوہے اسی ترتیب سے نشر لایا گیا ہے۔ لہذا یہ لف و نشر مرتب ہے۔

لف و نشر غیر مرتب:

شعر میں مصرعِ اولیٰ میں بیان کی گئی دو باتوں کے مقابل مصرعِ ثانی میں بیان کی گئی دو باتیں ترتیب وار نہ ہوں تو یہ صنعتِ لف و نشر غیر مرتب ہو گی۔ ڈاکٹر صابر کلوروی صنعتِ لف و نشر غیر مرتب کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"اگر ترتیب میں فرق ہو تو اسے لف و نشر غیر مرتب کہیں گے"۔(۷۸)

ایاز محمود ایازؔ کے مجموعہ کلام "مجھے تم ہار بیٹھو گے" سے صنعت لف و نشر غیر مرتب کی مثال ملاحظہ ہو:

صرف خبریں ہی لگی رہتی ہیں بچے بھوکے
کھانا بھی صبح کے اخبار میں رکھا جائے(۷۹)

خبروں سے اخبار کی نسبت اور بھوک سے کھانے کی نسبت ہے۔ مگر ترتیب الٹ ہے لہذا یہ لف و نشر غیر مرتب ہے۔

مندرجہ بالا تمام اشعار میں شاعر ایازؔ محمود ایازؔ نے صنعت لف و نشر کا استعمال بڑی خوبصورتی اور مہارت کے ساتھ کیا ہے۔

صنعت تجاہلِ عارفانہ:

تجاہلِ عارفانہ کے لغوی معنی ہیں، "جان بوجھ کر انجان بننا"۔ اصطلاح میں معلوم و معین بات کو نکتہ آفرینی کی غرض سے کسی دوسرے معنی میں ڈھال دینا اور معاملے کی اصل بات کو لاعلمی کے پردے سے چھپانے کی کوشش کرنا تجاہلِ عارفانہ کہلاتا ہے۔ اس ضمن میں پروفیسر ڈاکٹر فاروق چوہدری اپنی کتاب "اردو آموز" میں رقمطراز ہیں:

> "تجاہلِ عارفانہ کے لغوی معنی ہیں جانتے ہوئے انجان بن جانا، "عارف" کے معنی ہیں جاننے والا، اور "تجاہل" کے معنی ہیں انجان بن جانا، لیکن یہ تجاہل کسی نا کسی لطیف نکتے پر مشتمل ہونا چاہیے۔"[۸۰]

یہ ایسا حسین فن ہے کہ شاعر سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بن جاتا ہے، آئینے کی حقیقت کو جانتے ہوئے انجان بن کر آئینے کی حقیقت پوچھتا ہے، زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے، ابر ہوا وغیرہ کو دیکھتے ہوئے اس کی حقیقیت سے ناآشنا ہو جاتا ہے۔ ایازؔ کے ہاں صنعت تجاہلِ عارفانا کا استعمال بہت کم ملتا ہے۔ شعر ملاحظہ ہو:

ہر کسک کو بحال کرتا ہے
کون میرے گمان میں آ کر[۸۱]

شاعرانہ تعلّی:

لغت میں "تعلی" کے معنی، برتری، بڑائی، بزرگی، شیخی، لن ترانی اور ڈینگ کے ہیں۔ اصطلاح میں اس کے ساتھ شاعرانہ لگا کر مرکب بنا دیا گیا ہے۔ "شاعرانہ تعلی" سے مراد کسی بھی شاعر کی طرف سے شعری انداز میں اپنی تعریف کرنا یا برتری ظاہر کرنا ہے۔ شاعر جب تخلیقی لمحوں میں کوئی تخلیق کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت وہ انا کی اس سرشاری میں جی رہا ہوتا ہے جس کا مرکز و محور صرف شاعر کی ذات ہی ہوتی ہے۔ اس لمحے میں اس کے سامنے ایک ایسی منزل ہوتی ہے، جس پر پہنچنا دوسرے کسی کے بس کی

بات نہیں ہوتی۔ابوالاعجاز صدیقی اپنی کتاب "ادبی اصطلاحات کا تعارف" میں شاعرانہ تعلّی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بعض اوقات شاعر جذبہ خود پرستی کی تسکین کے لیے فخر ومباہات اور خود ستائی سے کام لیتا ہے۔اسے شعرا کی اصطلاح میں تعلّی یا شاعرانہ تعلّی کہا جاتا ہے۔مثلاً سودا کہتے ہیں:

شاعران ہند کا تو گر چہ پیغمبر نہیں
پر سخن کہنے میں اے سودا تجھے اعجاز ہے"[۸۲]

شاعر جو کچھ سوچتا ہے اسی کو ایک خاص انداز میں لفظیات کا جامہ پہنا کر اپنی فن کاری کا اعتراف کرتا ہے۔شاعرانہ تعلی میں شاعر اپنی زبان و بیان پر قدرت اور اپنی وجودی قوت کے ساتھ ساتھ اپنی عظمت کا بھی اعتراف کرتا ہے۔وہ اس بات کا بھی اظہار کرتا ہے کوئی اس کا مدِ مقابل نہیں اور وہ جو کام کر رہا ہے وہ منفرد ہے جسے دوسرا کوئی کرنے سے قاصر ہے۔ایاز محمود ایازؔ کے ہاں شاعرانہ تعلی کے اشعار ملاحظہ ہوں:

ہر حسیں پر دل نچھاور کر نہیں سکتا ہوں میں
میں ایازؔ ایسا نہیں ہوں میرا اک معیار ہے[۸۳]

مجھے اب ڈھونڈنا مشکل بہت ہے
میں خوشبو بن کے ہوں بکھرا سمندر میں[۸۴]

ایاز محمود ایازؔ کے شاعرانہ تعلی کے حامل یہ خوبصورت اشعار شاعرانہ تعلی کی بہترین مثالیں ہیں۔

سہل ممتنع:

سہل کے لغوی معنی ہیں "آسان" اور ممتنع کے معنی ہیں "دشوار یا مشکل"۔اصطلاح میں ایسے شعر کو "سہل ممتنع" کہا جاتا ہے جو بظاہر انتہائی آسان اور سادہ معلوم ہوتا ہو لیکن اس کی مثال بنانا نہایت مشکل ہو۔پروفیسر انور جمال "سہل ممتنع" کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ شعری اظہار کی اصطلاح ہے ایک ایسا شعر جو اس قدر آسان لفظوں میں
ادا ہو جائے کہ اس کے آگے مزید سلاست کی گنجائش نہ ہو۔" سہل ممتنع
کہلاتا ہے۔"(۸۵)

سہل ممتنع شعری اظہار کا سادہ ترین پیرایا ہے۔ سہل ممتنع کی خاصیت رکھنے والی شاعری تاثیر کی قوت اور تادیر زندہ رہنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ایاز کی شاعری میں سہل ممتنع کی عمدہ مثالیں موجود ہیں۔ سید سلیمان گیلانی اس حوالے سے اپنی زبانی بیان کرتے ہیں:

"ایازؔ نے میری طرح سہل ممتنع شاعری کی ہے۔ اس کی شاعری روایت و
جدت کا امتزاج ہے۔ بعض اوقات بڑی بڑی مشکل زمینوں میں انتہائی جاندار
اور شاندار اشعار کہے ہیں۔"(۸۶)

ایاز محمود ایازؔ کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے، جو سہل ممتنع کا بہترین نمونہ ہیں:

ہم تمہیں سوچنے کی جلدی میں
کتنے ہی کام بھول جاتے ہیں(۸۷)

تم میرا ماضی کیوں نہیں بنتے
تم لگاتار یاد آرہے ہو مجھے(۸۸)

میں اس کو چھُو رہا ہوں
مگر اک فاصلہ ہے(۸۹)

خار میں پھول تو ہو سکتے ہیں
پھول میں خار کہاں ہوتے ہیں(۹۰)

ایاز محمود ایازؔ کی غزلوں کا تخلیقی آہنگ سادگی و روانی کا آئینہ دار ہے۔ وہ بہت آسانی سے شعر کہنے کی قدرت رکھتے ہیں اور سہلِ ممتنع کی مرصع خوبیاں ایازؔ کی غزل کے اسلوب کو دل کشی عطا کرتی ہیں۔

محاورات کا استعمال:

دو یا دو سے زیادہ الفاظ کا مجموعہ جو اہلِ زبان کی بول چال کے مطابق مجازی یا غیر حقیقی معنوں میں استعمال ہوا ہو، محاورہ کہلاتا ہے۔ مثلاً: "سر پہ چڑھنا" کے حقیقی معنی "سر کے اوپر چڑھنا" ہیں جب کہ مجازی معنوں میں اس سے مراد "گستاخی" یا "بدتمیزی" کے ہیں۔ پروفیسر انور جمال محاورہ کی تعریف کرتے ہوئے اپنی کتاب "ادبی اصطلاحات" میں رقمطراز ہیں:

> "محاورہ دو یا دو سے زیادہ الفاظ کا ایسا مجموعہ ہے جو مجازی معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اہلِ زبان کی گفتگو کے مطابق ہوتا ہے۔"(۹۱)

محاورہ کی تعریف کرتے ہوئے پروفیسر صغیر احمد جان یوں رقم طراز ہیں:

> "محاورہ اصطلاح میں خاص اہل زبان کے اسلوب بیان کا نام ہے۔ محاورہ ہمیشہ دو یا دو سے زیادہ الفاظ میں پایا جاتا ہے اور ان میں کم از کم ایک لفظ جو اکثر فعل ہوتا ہے، اپنی لغوی معنی سے ہٹ کر کوئی اصطلاحی یا مجازی معنی دیتا ہے۔ غم کھانا، قسم کھانا، دھوکہ کھانا وغیرہ یہ سب محاورے ہیں۔ اس لیے کہ ان سب میں کھانا اپنے حقیقی معنوں میں مستعمل نہیں۔ اسی طرح آئینے کا اندھا ہونا یا عقل کا اندھا ہونا بھی محاورہ ہے"۔(۹۲)

اصطلاح میں محاورہ دو یا دو سے زیادہ الفاظ کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں جو کسی مصدر سے مل کر بنا ہو اور حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہو۔ ایاز محمود ایازؔ نے اس مجموعہ میں محاورت کا استعمال بہت خوبصورتی کے ساتھ لیکن بہت کم کیا ہے۔ ان کی زبان سادہ اور عام بول چال کی زبان ہے۔ لیکن بعض جگہوں پر وہ محاوراتی زبان کا استعمال کرتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

اُونچی اُونچی باتیں کرنے والوں سے بھی
فاصلوں کی تدبیر بنائی جا سکتی ہے(۹۳)

ظلم یہ میرے ساتھ کیوں کرتی
ہاتھ دے کر وہ ہاتھ کیوں کرتی(۹۴)

تیرے لہجے میں شاعری میری
مجھ سے تیری زبان بولتی ہے[۹۵]

عید کا چاند ہو گئے ہو تم
جانے کس جا پہ کھو گئے ہو تم[۹۶]

مندرجہ بالا اشعار میں محاورات کا استعمال انتہائی خوبصورت ہے اور موضوع کا ساتھ نبھا رہا ہے۔"اونچی اونچی باتیں کرنا"، "ہاتھ کرنا"، "تمہاری زبان بولنا" اور "عید کا چاند ہونا" جیسے محاورات کا استعمال کیا گیا ہے۔

بحثیت مجموعی دیکھا جائے تو ایاز محمود ایازؔ کی غزل فن و فکر کے حسین امتزاج سے عبارت ہے۔انھوں نے غزل میں جو فنی محاسن پیش کیے ہیں ان میں کہیں بھی شعوری کاوش کارفرما نظر نہیں آتی۔ایازؔ کی شاعری ان کے دل کی آواز ہے،انھوں نے اپنے قلبی واردات اور احساسات کو سیدھے سادے مگر پراثر انداز میں بیان کیا ہے کہ ان کا ایک ایک لفظ دل میں اترتا چلا جاتا ہے۔ایازؔ کا کلام تصنع سے پاک اور سادگی اور برجستگی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔انھوں نے روز مرہ کے الفاظ کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ باندھا ہے۔ایازؔ کا یہ اندازِ بیان اور اسلوب انھیں جدید غزل گو شعراء میں منفرد بناتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عابد علی عابد، سید "البیان" (لاہور: سنگِ میل پبلیکیشنز، ۲۰۱۵ء) ص ۲۳

۲۔ فاروق چوہدری، پروفیسر، ڈاکٹر، "اُردو آموز" (اسلام آباد: ملٹی کلرز، ۲۰۱۷ء) ص ۱۲۵

۳۔ منصف خان سحاب، "نگارستان" (لاہور: مکتبہ جمال، ۲۰۱۷ء) ص ۱۴۳

۴۔ ایضاً، ص ۱۴۳

۵۔ انور جمال، پروفیسر، "ادبی اصطلاحات" (اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، ۲۰۱۹ء) ص ۴۳، ۴۴

۶۔ ایاز محمود ایازؔ، "مجھے تم ہار بیٹھو گے" (لاہور: حاجی حنیف پریس، ۲۰۱۹ء) ص ۲۷

۷۔ ایضاً، ص ۲۸

۸۔ ایضاً، ص ۳۰

۹۔ ایضاً، ص ۳۶

۱۰۔ انور جمال، پروفیسر، "ادبی اصطلاحات" (اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، ۲۰۱۹ء) ص ۳۷

۱۱۔ منصف خان سحاب، "نگارستان" (لاہور: مکتبہ جمال، ۲۰۱۷ء) ص ۱۴۷

۱۲۔ ایاز محمود ایازؔ، "مجھے تم ہار بیٹھو گے" (لاہور: حاجی حنیف پریس، ۲۰۱۹ء) ص ۳۸

۱۳۔ ایضاً، ص ۹۷

۱۴۔ ایضاً، ص ۹۷

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۳۱

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۵۹

۱۷۔ انور جمال، پروفیسر، "ادبی اصطلاحات" (اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، ۲۰۱۹ء) ص ۱۵۸

۱۸۔ جلال الدین جعفری، سیّد، "نسیم البلاغت" (دکن: دکن پریس، ۱۸۳۹ء) ص ۱۸۸

۱۹۔ ایضاً، ص۷۸

۲۰۔ ایاز محمود ایازؔ، "مجھے تم ہار بیٹھو گے" (لاہور: حاجی حنیف پریس، ۲۰۱۹ء) ص ۷۴

۲۱۔ ایضاً، ص۷۶

۲۲۔ ایضاً، ص۱۲۴

۲۳۔ ایضاً، ص۱۴۱

۲۴۔ ابوالاعجاز صدیقی، "کشاف تنقیدی اصطلاحات" (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء) ص ۱۵۲

۲۵۔ صابر کلوروی، ڈاکٹر، "عروض وبدیع" (لاہور: علمی کتب خانہ، اُردو بازار، ۲۰۰۱ء) ص ۲۹

۲۶۔ ہارون الرشید تبسم، ڈاکٹر، "ادبی اصطلاحات" (جہلم: بک کارنر، ۲۳ مارچ ۲۰۱۸ء) ص ۳۹

۲۷۔ ایاز محمود ایازؔ، "مجھے تم ہار بیٹھو گے" (لاہور: حاجی حنیف پریس، ۲۰۱۹ء) ص ۳۰

۲۸۔ ایضاً، ص۳۹

۲۹۔ ایضاً، ص۱۰۰

۳۰۔ ایضاً، ص۱۰۵

۳۱۔ منصف خان سحاب، "نگارستان" (لاہور: مکتبہ جمال، ۲۰۱۷ء) ص ۱۶۱

۳۲۔ عابد علی عابد، سید، "البدیع" (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء) ص ۳۴

۳۳۔ منصف خان سحاب، "نگارستان" (لاہور: مکتبہ جمال، ۲۰۱۷ء) ص ۱۶۱

۳۴۔ ہارون الرشید تبسم، ڈاکٹر، "ادبی اصطلاحات" (جہلم: بک کارنر، ۲۳ مارچ ۲۰۱۸ء) ص ۵۰

۳۵۔ محمد حسن عسکری، "آئینہ بلاغت" (لکھنؤ: صدیق بک ڈپو، ۱۹۳۷ء) ص ۱۰۶

۳۶۔ ایاز محمود ایازؔ، "مجھے تم ہار بیٹھو گے" (لاہور: حاجی حنیف پریس، ۲۰۱۹ء) ص ۲۶

۳۷۔ ایضاً، ص۲۷

۳۸۔ ایضاً، ص۸۶

۳۹۔ ایضاً، ص۱۵۷

۴۰۔ منصف خان سحاب، "نگارستان" (لاہور: مکتبہ جمال، ۲۰۱۷ء) ص۱۷۶

۴۱۔ ایاز محمود ایاز، "مجھے تم ہار بیٹھو گے" (لاہور: حاجی حنیف پریس، ۲۰۱۹ء) ص۳۸

۴۲۔ ایضاً، ص۳۸

۴۳۔ ایضاً، ص۱۵۸

۴۴۔ عمر فاروق، ڈاکٹر، "اصطلاحات نقد وادب" (دہلی: بھارت آفس، ۲۰۰۴ء) ص۱۱۱

۴۵۔ ایاز محمود ایاز، "مجھے تم ہار بیٹھو گے" (لاہور: حاجی حنیف پریس، ۲۰۱۹ء)، ص۱۳۰

۴۶۔ ایضاً، ص۸۶

۴۷۔ ایضاً، ص۸۷

۴۸۔ ایضاً، ص۱۴۶

۴۹۔ مزمل حسین، اردو میں علم بیان اور علم بدیع کے مباحث، مقالہ برائے پی ایچ ڈی (لاہور : پنجاب یونیوسٹی، ۲۰۰۵ء)، ۸۴

۵۰۔ ایاز محمود ایاز، "مجھے تم ہار بیٹھو گے" (لاہور: حاجی حنیف پریس، ۲۰۱۹ء) ص۱۱۶

۵۱۔ ایضاً، ص۱۲۱

۵۲۔ ایضاً، ص۱۴۲

۵۳۔ ایضاً، ص۱۵۳

۵۴۔ انور جمال، پروفیسر، 'ادبی اصطلاحات" (اسلام آباد نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۹) ص۸۲

۵۵۔ ایاز محمود ایاز، "مجھے تم ہار بیٹھو گے" (لاہور: حاجی حنیف پریس، ۲۰۱۹ء) ص۳۳

۵۶۔ ایضاً، ص۶۵

۵۷۔ ایضاً، ص۱۳۱

۵۸۔ انور جمال، پروفیسر، "ادبی اصطلاحات" (اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، ۲۰۱۹ء) ص ۶۱

۵۹۔ ایاز محمود ایازؔ، "مجھے تم ہار بیٹھو گے" (لاہور: حاجی حنیف پریس، ۲۰۱۹ء) ص ۹۸

۶۰۔ ایضاً، ص ۱۴۷

۶۱۔ منصف خان سحاب، "نگارستان" (لاہور: مکتبہ جمال، ۲۰۱۷ء) ص ۱۷۲

۶۲۔ ایاز محمود ایازؔ، "مجھے تم ہار بیٹھو گے" (لاہور: حاجی حنیف پریس، ۲۰۱۹ء) ص ۴۷

۶۳۔ ایضاً، ص ۱۰۱

۶۴۔ ایضاً، ص ۱۵۳

۶۵۔ منصف خان سحاب، "نگارستان" (لاہور: مکتبہ جمال، ۲۰۱۷ء) ص ۱۶۱

۶۶۔ مزمل حسین، اردو میں علم بیان اور علم بدیع، مقالہ پی ایچ ڈی (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۰۵ء) ص ۷۱

۶۷۔ منصف خان سحاب، "نگارستان" (لاہور: مکتبہ جمال، ۲۰۱۷ء) ص ۱۶۲

۶۸۔ ایضاً، ص ۱۶۲

۶۹۔ ایاز محمود ایازؔ، "مجھے تم ہار بیٹھو گے" (لاہور: حاجی حنیف پریس، ۲۰۱۹ء) ص ۲۶

۷۰۔ ایضاً، ص ۳۷

۷۱۔ ایضاً، ص ۴۳

۷۲۔ ایضاً، ص ۸۴

۷۳۔ انور جمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات (اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، ۲۰۱۹ء) ص ۱۵۱

۷۴۔ ابوالاعجاز صدیقی، "کشاف تنقیدی اصطلاحات" (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء) ص ۲۱۴

۷۵۔ ایاز محمود ایازؔ، "مجھے تم ہار بیٹھو گے" (لاہور: حاجی حنیف پریس، ۲۰۱۹ء) ص ۱۳۷

۷۶۔ ایضاً، ص ۲۹

۷۷۔ ایضاً، ص ۷۷

۷۸۔ صابر کلوروی، ڈاکٹر، "عروض وبدیع" (لاہور: علمی کتب خانہ، اُردو بازار، ۲۰۰۱ء) ص ۶۰

۷۹۔ ایاز محمود ایازؔ، "مجھے تم ہار بیٹھو گے" (لاہور: حاجی حنیف پریس، ۲۰۱۹ء) ص ۳۵

۸۰۔ فاروق چوہدری، پروفیسر، ڈاکٹر، "اُردو آموز" (اسلام آباد: ملٹی کلرز، ۲۰۱۷ء) ص ۱۴۱۔

۸۱۔ ایاز محمود ایازؔ، "مجھے تم ہار بیٹھو گے" (لاہور: حاجی حنیف پریس، ۲۰۱۹ء) ص، ۸۸

۸۲۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، "ادبی اصطلاحات کا تعارف" (لاہور: اسلوب، ۲۰۱۵ء) ص ۱۵۱

۸۳۔ ایاز محمود ایازؔ، "مجھے تم ہار بیٹھو گے" (لاہور: حاجی حنیف پریس، ۲۰۱۹ء) ص، ۶۱

۸۴۔ ایضاً، ص، ۱۳۱

۸۵۔ انور جمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات (اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، ۲۰۱۹) ص ۱۲۰

۸۶۔ سلیمان گیلانی، سید، انٹرویو (لاہور)، ۴مارچ ۲۰۲۱، دن ۱۰ بجے

۸۷۔ ایاز محمود ایازؔ، "مجھے تم ہار بیٹھو گے" (لاہور: حاجی حنیف پریس، ۲۰۱۹ء) ص ۱۵۹

۸۸۔ ایضاً، ص ۱۵۸

۸۹۔ ایضاً، ص ۶۶

۹۰۔ ایاز محمود ایازؔ، "مجھے تم ہار بیٹھو گے" (لاہور: حاجی حنیف پریس، ۲۰۱۹ء) ص ۱۴۷

۹۱۔ انور جمال، پروفیسر، "ادبی اصطلاحات" (اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، ۲۰۱۹ء) ص ۱۵۹

۹۲۔ صغیر احمد جان، پروفیسر، "صحیفہ فنونِ ادب" (پشاور: منظور عام پریس، ۱۹۵۸ء)، ص ۲۸۹

۹۳۔ ایاز محمود ایازؔ، "مجھے تم ہار بیٹھو گے" (لاہور: حاجی حنیف پریس، ۲۰۱۹ء) ص ۳۴

۹۴۔ ایضاً، ص ۵۸

۹۵۔ ایضاً، ص ۱۲۶

۹۶۔ ایضاً، ص ۱۳۷

باب پنجم
حاصلِ تحقیق

غزل اپنی رمزیت ،اختصار اور قدرتی لچک کی وجہ سے اپنی روایتی شان و شوکت کو قائم رکھتے ہوئے ہر آنے والے دور کے تقاضوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اُردو غزل جو مختلف ادوار میں اپنے عہد کی فکری ترجمانی کے ساتھ ساتھ بنتی اور سنورتی رہی، آج بڑی کامیابی کے ساتھ نئے دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو کر اب اکیسویں صدی کی تمدنی و تہذیبی افراتفری کو اپنی مخصوص رمزیت وایمائیت کے دامن میں سمیٹے ہوئے نظر آتی ہے۔

جدید اُردو غزل کا پیمانہ فکری و فنی اور موضوعاتی اعتبار سے بہت وسیع ہو چکا ہے۔ کہنہ تشبیہات و استعارات اور علامتوں کے ساتھ ساتھ آج کا غزل گو شاعر پامال موضوعات کے بجائے نت نئے موضوعات کو ایک جدید لب و لہجے اور آہنگ میں برت رہا ہے۔اسی تناظر میں پنجاب کی زرخیز و شاداب سرزمین نے بھی غزل کی آبادی میں بھرپور کردار ادا کیا ہے۔

پنجاب کی سرزمین سے تعلق رکھنے والے شاعر ایاز محمود ایازؔ ۱۰ دسمبر ۱۹۸۰ کو بادشاہ پور (ضلع منڈی بہاؤالدین) پنجاب میں پیدا ہوئے۔ایازؔ کے آباؤاجداد میں ان کے بڑے دادا (دادا کے بڑے بھائی) سراج الدین سراجؔ پنجابی زبان کے بہت بڑے شاعر تھے۔ جنھوں نے پنجابی زبان میں تیرہ شعری مجموعے لکھے۔ان کے بعد اپنے خاندان میں ایاز محمود ایازؔ پہلے شخص ہیں جنھوں نے شاعری کی دینا میں قدم رکھا۔ایازؔ نے اپنی شاعری کا آغاز بچپن سے ہی کیا۔ایاز محمود ایازؔ کو اگر پیدائشی شاعر کہا جائے تو مبالغہ نہ ہو گا، کیونکہ انھوں نے اپنی شاعری کا آغاز اس وقت کیا جب وہ لکھنا بھی نہیں جانتے تھے۔ لیکن شعر روانی سے کہتے تھے۔ سکول کے زمانے میں ہی ایازؔ کا کلام مختلف مقامی اخبارات اور رسائل میں شائع ہونے لگا۔اس کے کچھ عرصہ بعد ان کا کلام ملک کے بڑے بڑے اخبارات ورسائل میں بھی شائع ہونے لگا، یہاں تک کہ محض ۱۶سال کی عمر میں ایازؔ کا پہلا شعری مجموعہ "خزاں کی آخری شب "منظرِ عام پر آیا۔

ایاز محمود ایازؔ کا شعری سفر اور اکیسویں صدی ساتھ ساتھ پروان چڑھ رہے ہیں۔اب تک ایازؔ کے سات شعرے مجموعے،"خزاں کی آخری شب"،"ترکِ مراسم"،"تنہائی سے ڈر لگتا ہے"،"سنو ایسا نہیں کرتے"،آرزوئے جاں"،"تم شرطِ زندگی ہو"اور "مجھے تم ہار بیٹھوگے "منظر عام پر آچکے ہیں۔ غزل

ہو یا نظم ایازؔ نے دونوں صنفِ سخن میں جوہر دکھائے ہیں، لیکن غزل ان کی پہچان کا معتبر حوالا ٹھہرا۔ایاز کئی برسوں سے پیرس میں مقیم ہیں اور بڑی سنجیدگی کے ساتھ اپنے ادبی سفر جاری رکھے ہوئے ہیں۔پیرس جیسے کارخانہءعطر میں رہ کراس کی خوشبو سے ایازؔ نے اپنی شاعری کو معطر کر رکھا ہے۔بقول عطاالحق قاسمی،"ایازؔ کی شاعری میں وہ بھینی بھینی محسور کن خوشبو پھیل گئی ہے جو پیرس کی گلیوں میں چلتے ہوئے سیاحوں کو مدہوش رکھتی ہیں۔"ایازؔ اپنی شاعری کے ذریعے زندگی کی خوبصورتیوں کو یوں قاری کے سامنے بکھیرتے ہیں جیسے تتلیاں پر کھولتی ہیں۔ایازؔ کے لہجے میں شگفتگی اور نرماہٹ ہے،ان کی شاعری محبت سے بھرپور شاعری ہےاوران کے ہاں محبت اور زندگی ایک ساتھ سانس لیتے ہیں۔ایاز محمود کا شعری سفر اور اسلوب زندگی سے آشنا معلوم ہوتا ہے۔انھوں نے جس نظر سے ماحول کو دیکھا اسے اسی طرح اپنے شعری پیکر میں ڈھال دیا۔ان کی شاعری خوبصورت الفاظ اور دلکش جذبات کی ترجمان ہے۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ایازؔ کی شاعری جدید عصری تقاضوں کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ان کی شاعری میں عصرِ حاضر کی حساسیت بھی دھڑکتی ہے۔اور جدید عصری رجحانات پر ان کی گہری نظر بھی ہے۔ان کے متعدد اشعار عصری حقائق اور عصرِ حاضر کی حساسیات کے عکاس ہیں۔ایازؔ کی شاعری بنیادی طور پر محبت کی شاعری ہے۔ان کی غزلوں میں حسن و عشق اور محبوب سے متعلق تمام موضوعات بھی شامل ہیں۔دیارِ غیر میں رہنے کے باوجود ان کی شاعری میں مشرقی تہذیب اپنے تمام رنگوں کے ساتھ نظر آتی ہے۔ایازؔ وطن سے دور رہ کر بھی وطن کی محبت کو دل میں لیے ہوئے ہیں۔ پردیس میں رہتے ہوئے دیس کی بولی بولنا ان کی وطن پرستی کا ثبوت ہے۔اس کا اظہار ان کی شاعری میں جابجا ملتا ہے۔

ایاز محمود ایازؔ کا شمار جدید غزل کے ان شعراء میں ہوتا ہے جنہیں بہت جلد مقبولیت حاصل ہوئی۔ایازؔ کی شکل وصورت میں جو سنجیدگی،معصومیت،بے ساختگی اور ہر قسم کے تصنعات سے ماورا ایک فطری کشش ہے،بالکل یہی اوصاف ان کی شاعری میں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ایاؔ کی شاعری میں پرکشش اندازِ بیان ، سنجیدہ خیالات، نادر اور چھوتی تشبیہات کا استعمال اوران کے لفظوں کی ترتیب اور تعبیرات کی بندش میں ایسا جادو ہے،جو قاری اور سامع کے حواس کو اپنے قابو میں کرلیتا ہے۔ایازؔ کا تخیل بلند ہےاوران کی فکری وسعت، شعری تصورات،مصرعوں کی ساخت، لفظوں کی نشست و برخاست

عمدہ ہے۔ایازؔ کی غزلیں اُردو غزل کانت نیا چہرہ ہیں،ان کی سوچ نئی اور اندازِ بیان شگفتہ ہے۔جو مقبولیت انہیں اُردو غزل میں ملی اس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ ایاز محمود ایازؔ متنوع موضوعات کے شاعر ہیں۔انہوں نے زندگی کے حسن کے سنیکڑوں پہلوؤں کو اور رنگا رنگی کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ان کے لہجے میں کھنک ہے جس میں قاری اپنے دل کی دھڑکنیں محسوس کرتے ہیں۔

شاعری صرف خیالات کو شعری قالب میں ڈھالنے کا نام نہیں بلکہ ایک ایسا مشکل فن ہے جس کے اصولوں سے صرف ممکن نہیں۔شاعری فکر و فن کے حسین امتزاج کا نام ہے۔شاعر اپنی فکری بلندی کی بدولت اور وسعت کی ساتھ ،فنی چابکدستی اور زبان وبیان کی فنکاری کی مدد سے شاعری میں ایسی تصویریں بناتا ہے جو مصور اپنے برش سے بھی نہ بنا پائے۔اپنے خیالات کو بیان کرنے کے لیے خوب صورت الفاظ، عمدہ تراکیب کا استعمال اور صنائع بدائع کی آمیزش شاعر کی فنی عظمت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ایازؔ کی شاعری کا بغور جائزہ لیا تو ان کی فنی و فکری عظمت سے انکار ممکن نہیں۔ماہرینِ ادب نے شاعری کے لیے جو فنی اصول و ضوابط مرتب کیے ہیں،ایازؔ نے اس سب کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے اپنی شاعری کی تخلیق کی ہے۔شاعری کے فنی حسن کے جو لوازمات موجود ہیں،ایازؔ کے ہاں ان کا استعمال بڑی مہارت اور خوب صورتی کے ساتھ ملتا ہے۔

یہ مقالہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔جس کے باب اول میں ایاز محمود ایازؔ کی شخصیت اور ان کی زندگی کے متعلق، سوال نامے، انٹرویوز اور مختلف ثانوی ماخذ سے استفادہ کرتے ہوئے ان کی پیدائش سے لے کر تاحال کے حالات وواقعات، ایازؔ بحثیت شاعر معاصر شعراء کی نظر میں، اور ان کی تصانیف کا مختصر تعارف درج ہے۔ جس کے ساتھ باب اول کا اختتام ہوتا ہے۔ باب دوم میں صنفِ غزل کا تعارف، غزل کی مختلف تعریفیں اور اُردو غزل کے آغاز وارتقاء پر بحث کی گئی ہے۔ باب سوم میں شعری مجموعہ "مجھے تم ہار بیٹھو گئے" کا فکری جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں راقم نے اس مجموعہ کے مختلف فکری موضوعات، روایتی مضامین، جدت پسندی، عصری مسائل، عشق و محبت کا بیان، درد و غم کا بیان، حساسیت، محبوب کی سراپا نگاری اور باغیانہ انداز بیان جیسے موضوعات کو کو شعری حوالوں کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔ باب

چہارم میں زیرِ تحقیق شعری مجموعہ "مجھے تم ہار بیٹھو گے" کا فنی مطالعہ پیش کیا ہے۔ جس میں علمِ بیان و بدیع اور دیگر فنی حوالوں سے اس کی خصوصیات کو اجاگر کیا ہے۔ تشبیہ، استعارہ، مجازِ مرسل، کنایہ، صنعت تضاد، صنعت تلمیح، صنعت تکرار لفظی، صنعت سیاق الاعداد، صنعت مراعات النظیر، صنعت تجنیس، صنعت تجنیس تام، صنعت حسن تعلیل، صنعت لف و نشر، صنعت تجاہل عارفانہ، شاعرانہ تعلی اور سہلِ ممتنع جیسی خصوصیات کو شعری مثالوں کے اس مقالہ میں پیش کیا ہے۔

متعدد اربابِ فن کی آراء اور دیگر حوالاجات سے واضح ہوتا ہے کہ جدید اردو غزل میں ایازؔ کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ اور ایازؔ اپنی شاعرانہ انفرادیت، جدت، افتادِ طبع اور محاسن شعری کے برمحل اور موزوں استعمال کے باعث آسمانِ ادب پر ایسے چمکے ہیں جن کی روشنی ماند پڑنے کو نہیں۔

کتابیات

بنیادی ماخذ:

ایاز محمود ایازؔ، "مجھے تم ہار بیٹھو گے" (لاہور: حاجی حنیف پرس، ۲۰۱۹ء)

ثانوی مآخذ:

ابوالاعجاز صدیقی، "کشاف تنقیدی اصطلاحات" (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء)

انور جمال، پروفیسر، "ادبی اصطلاحات" (اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، ۲۰۱۹ء)

جلال الدین جعفری، سیّد، "نسیم البلاغت" (دکن: دکن پریس، ۱۸۳۹ء)

رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، "اصنافِ ادب" (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء)

صابر کلوروی، ڈاکٹر، "عروض وبدیع" (لاہور: علمی کتب خانہ، اُردو بازار، ۲۰۰۱ء)

عابد علی عابد، سید، "البدیع" (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء)

علی محمد خان، ڈاکٹر، اشفاق احمد ورک، ڈاکٹر، "اصناف نظم ونثر" (لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، ۲۰۱۲ء)

عمر فاروق، ڈاکٹر، "اصطلاحات نقد وادب" (دہلی: بھارت آفس، ۲۰۰۴ء)

گوپی چند نارنگ، "اردو غزل اور ہندوستانی ذہن و تہذیب" (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو، ۲۰۰۲ء)

محمد حسن عسکری، "آئنیہ بلاغت" (لکھنؤ: صدیق بک ڈپو، ۱۹۳۷ء)

منصف خان سحاب، "نگارستان" (لاہور: مکتبہ جمال، ۲۰۱۷ء)

ہارون الرشید تبسم، ڈاکٹر، "ادبی اصطلاحات" (جہلم: بک کارنر، ۲۳مارچ ۲۰۱۸ء)